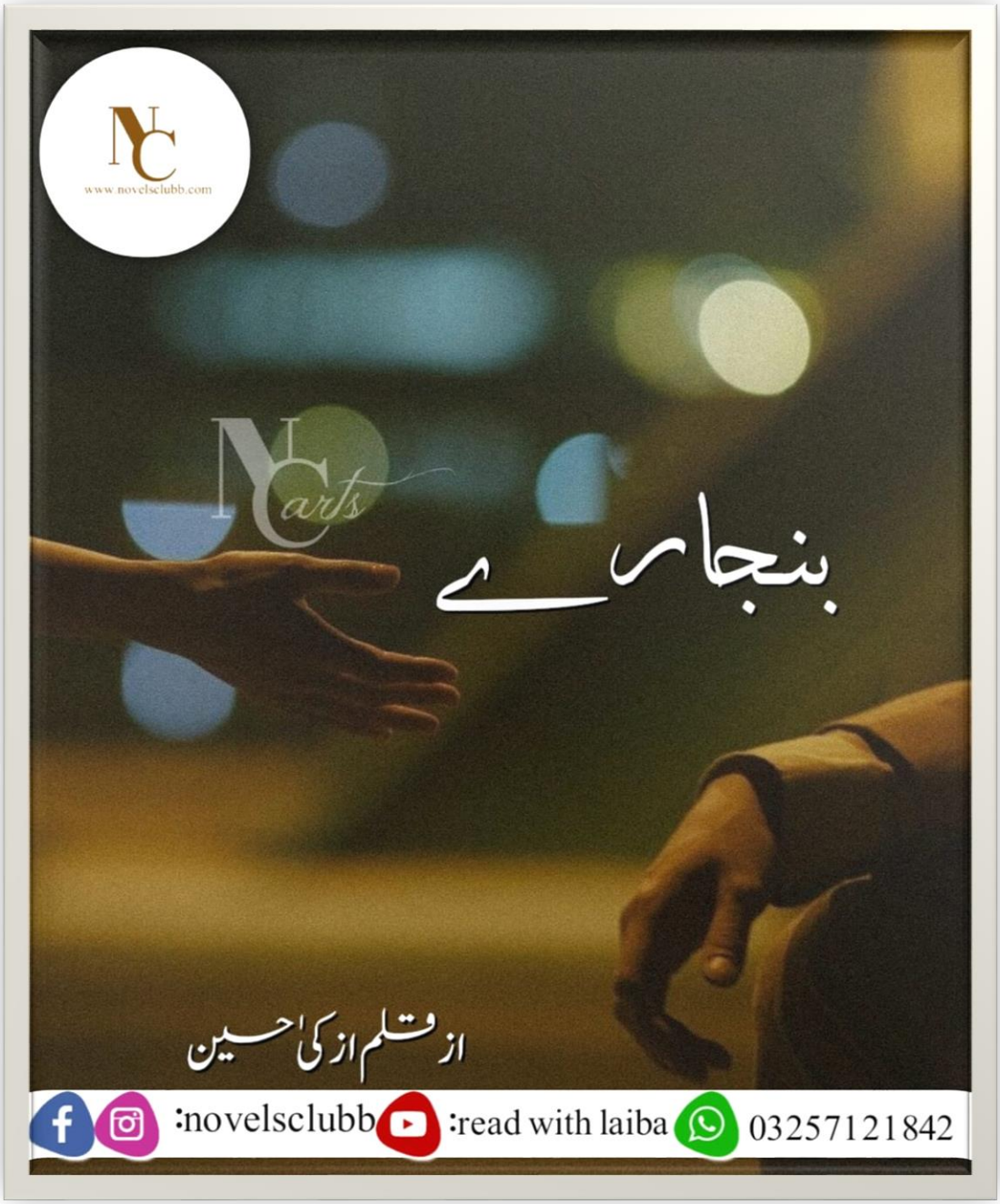
www.novelsclubb.com
بنجارے
از قلم از کی احسین
:novelsclubb
:read with laiba
03257121842

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔تو ہم سے رابطہ کریں۔

ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔

آپ اپنا لکھا ہوا ناول،افسانہ،شاعری، ناولٹ،کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں ورڈ فائل یا ٹیکسٹ فارم میں میل کریں

novelsclubb@gmail.com

آپ ہمارے فیس بک،انسٹا پیج اور واٹس ایپ کے ذریعے بھی ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں۔

FB PAGE:

NOVELSCLUBB

INSTA:

NOVELSCLUBB

WHATSAPP:

03257121842

بنجارے

از قلم

از کی حسین

www.novelsclubb.com

بنجارے (از کیٰ حسین)

باب چہارم:

"تلاشِ لاحاصل" (حصہ دوم)

موجودہ دن سے چھ ماہ قبل....

قلبلار۔

وہ ایک خوبصورت باغیچہ تھا....

آس پاس صرف پھول ہی پھول تھے....

ہر رنگ، ہر نسل کے....

آہستگی سے سرکتی ہواؤں کے چلتے ان پھولوں کی قطاریں ترتیب سے جھول رہی تھیں۔....

پھولوں کے اس رنگین آنگن کے بیچ و بیچ.... وہ دونوں روبرو کھڑے تھے....

ایک دوسرے کی آنکھوں میں مسحور.... اس دلفریب منظر کے سحر میں ڈوبے....

اس نے دونوں ہاتھ پیچھے باندھ رکھے تھے....

سامنے کھڑی لڑکی کے ہاتھوں میں رنگ برنگے پھولوں کا گلدستہ تھا....

وہ اسے چمکتی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی....

وہ بھی اسے دیکھ کے مسکرا رہا تھا....

اس کی آنکھیں بھلا کیسی تھیں؟

سورج مکھی کے پھول جیسی۔درمیان میں ایک ننھا سا بھورا نقطہ اور باقی سنہری....

ان سنہری آنکھوں میں اُفق پہ چمکتے سورج جتنا نور سمایا تھا....

کوئی اس وقت وائل بِن آدم سے پوچھتا کہ دنیا میں روشن ترین کیا ہے؟

تو وہ بلا جھجک کہتا امیرہ بنتِ آدم کی سونے جیسی آنکھیں....

وہ دل کو بہکانے والا ایک پرکشش خواب تھا۔اور وائل بِن آدم خوابوں میں نہیں حقیقت میں رہنے والا انسان تھا۔

نیند میں حقیقت اور خواب کا شعور پانے کے بعد اس نے دھیرے سے آنکھیں

کھولیں تو وہ دلکش منظر نظروں سے تحلیل ہو گیا۔اس کی جگہ برگد کے درخت کے باسی پتوں کا عکس آنکھوں میں سما گیا۔وہ دونوں ہاتھوں کا تکیا بنائے درخت کی ایک موٹی شاخ کے اوپر چٹ لیٹا تھا۔

یہ خواب دیکھنے کے بعد وہ حیران نہیں تھا۔لاجواب تھا۔ گزشتہ دو ہفتوں میں چار مرتبہ اس نے خواب میں خود کو اس لڑکی کے ساتھ پایا تھا۔ تین مرتبہ وہ اسے جاگتے ہوئے بھی نظر آئی تھی۔ حقیقت میں نہیں.... صرف خیال میں۔ پتہ نہیں وہ اس طرح اس کے حواسوں پہ کیوں حاوی ہو گئی تھی؟اس نے بے بسی سے آنکھیں میچ کر کھولیں۔

گردن دائیں جانب موڑی تو وہ اسے دوبارہ نظر آئی۔آج اس کے چہرے پہ خوشگوار تاثرات نہیں تھے۔ پچھلی تین مرتبہ وہ اسے آنکھوں میں ستائشی تاثرات لیے دیکھتی رہی تھی۔ لیکن آج وہاں حیرت و بے یقینی تھی۔

وائل نے افسوس بھری سانس باہر نکالی۔اور گردن سیدھی کر کے مرجھائے ہوئے پتوں کو دیکھنے لگا۔

"خواب میں نظر آنا تو سمجھ بھی آتا ہے۔ لیکن پتہ نہیں کھلی آنکھوں سے بھی کیوں نظر آتی ہے یہ مجھے ؟" جھنجلاہٹ سے زیر لب بڑبڑاتے ہوئے آنکھیں دوبارہ موند لیں۔

چند گھڑیاں گزریں کہ اسے عجیب سا احساس ہوا۔ کسی کی حیرت زدہ نظروں کے ارتکاز جیسا احساس۔ کسی کے آپ کو دیکھے جانے کا احساس۔

اس نے چونک کے آنکھیں کھولیں۔(یا خدایا.... وہ جسے برم سمجھ رہا تھا، کیا وہ حقیقت ہے ؟)

گردن بے ساختہ دائیں جانب مڑی تو اس نے دیکھا وہ اسے ویسی ہی بے یقین نگاہوں سے دیکھ رہی ہے جیسے کہ وہ اسے۔اُف ! یہ یہاں بھی ٹپک پڑی ؟

اس بات کا خیال کیے بغیر کہ وہ کسی آرام دہ بستر پہ نہیں بلکہ ایک درخت کی کھردری شاخ پہ لیٹا ہے، جلدی سے اٹھا اور اگلے لمحے توازن برقرار نہ رکھ پانے کے باعث منہ کے بل زمین پہ جا گرا۔ سیدھا اس کے قدموں میں۔

وہ بے اختیار دو قدم پیچھے ہوئی تھی۔

وائل نے دونوں ہتھیلیاں زمین پہ جمائیں اور تنے اعصاب کے ساتھ اسے تیر نگاہوں سے دیکھا۔

"تم یہاں بھی پہنچ گئیں؟" وہ غصے اور اشتعال کے عالم میں اٹھ کے چلایا۔ "آخر ہر جگہ میرا پیچھا کیوں کر رہی ہو؟"

"یہی الزام میں بھی تم پہ لگا سکتی ہوں کہ تم میرا پیچھا کر رہے ہو۔" وہ ضبط جمائے سرد مہر انداز میں بولی۔

"ایسے کون سے سُرخاب کے پر لگے ہیں تم میں جو میں تمہارا پیچھا کروں گا۔" طنزیہ نظروں سے اسے سر تا پیر دیکھا۔

امیرہ نے مٹھیاں بھینچیں۔ "کیوں؟ کیا وہ تم نہیں تھے جس نے میرے گھر میں گھس کر مجھے دھمکایا تھا؟"

"بہت اچھی بات ہے جو تمہیں یاد ہے۔ ورنہ مجھے دوبارہ یاد دہانی کروانی پڑتی۔" طنزیہ لبو لہجے میں کہتے ہوئے اپنے کپڑے جھاڑے اور زمین پہ گرا کوٹ اٹھایا۔

وہ اٹھ کے سیدھا ہوا تو وہ آنکھوں میں شدید ناگواری، چبھن اور تنقید لیے اسے

گھور رہی تھی۔اس سے پہلے وہ اس کی غیر مناسب نظروں پہ کوئی تبصرہ کرتا وہ بول پڑی۔

"تمہیں شرم نہیں آئی؟"

وائل کا دائیاں ابرو نا سمجھی سے اوپر اٹھا۔

"اسلام صاحب کا مدرسہ جلاتے ہوئے تمہیں شرم نہیں آئی؟"اس مرتبہ وہ قدرے اونچی اور تیکھی آواز میں بولی تھی۔

"آہ۔"اس نے سمجھنے والے انداز میں سر ہلایا۔پھر ٹھوڑی کھجاتے ہوئے پر سوچ انداز میں اس کی طرف دیکھا اور ڈھٹائی سے بولا۔"نہیں آئی۔کافی عرصہ پہلے بیچ کھائی تھی میں نے۔"

www.novelsclubb.com

"تم خود کو سمجھتے کیا ہو؟"وہ دانت پہ دانت جمائے اسے سخت نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

"وہی جو میں ہوں۔"

"شیطان؟"

"اس کا بھی باپ۔" وہ اثر لیے بغیر بولا۔

"میں نے اپنی پوری زندگی میں تم جتنا گھٹیا اور بے شرم انسان نہیں دیکھا۔"

"اب دیکھ لیا ہے نا تو شکرانے کے نوافل ادا کر لینا کہ قدرت نے تمہیں اس شاہکار کے دیدار سے محروم نہیں رکھا۔" وہ ہٹ دھرمی سے کہہ رہا تھا۔ "رہی بات تمہارے اسلام صاحب کی.... تو وہ اسی کے لائق ہیں۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ برے کے حقدار ہیں وہ۔" اپنی زبان سے اس منافق بھوڑے کے نام لینے پہ ہی کوفت محسوس ہوئی۔

"تم کہنا چاہتے ہو انہوں نے تمہارے ساتھ کچھ برا کیا ہے؟" امیرہ کی آنکھیں استفہامیہ انداز میں چھوٹی ہوئیں۔

www.novelsclubb.com

"انہوں نے...." کہتے کہتے اس نے ارادہ بدل دیا۔

امیرہ اسے منتظر نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"میں تمہارے سوالوں کے جواب دینے کا پابند نہیں ہوں۔" کہہ کہ اس نے منہ پھیر لیا۔

"کیونکہ تمہارے پاس بتانے کے لیے کچھ ہے ہی نہیں۔"امیرہ نے تلخی سے سر جھٹکا۔

وہ اسے نظر انداز کیے سامنے کھڑے بلند و بالا پہاڑوں کو دیکھتا رہا۔اس لڑکی کی بے زار باتوں سے بہتر وہ بے آواز پہاڑ تھے۔

"تم مجرموں کو میں اچھے سے جانتی ہوں۔تم لوگوں کو دوسروں کی زندگیاں برباد کرنے کے لیے کسی وجہ کی ضرورت نہیں ہوتی...."

اس نے تلملا کے چہرے کا رُخ واپس اس کی جانب موڑا۔"جمعہ جمعہ آٹھ دن نہیں ہوئے مجھ سے ملے اور سمجھتی ہو مجھے جاننے لگی ہو۔"

"تم جیسوں کو جاننے کے لیے زیادہ وقت درکار نہیں ہوتا۔"

"تم...."اس نے ضبط سے مٹھیاں بھینچیں۔وہ کیوں اس دیوار سے اپنا سر ٹکرا رہا تھا؟

"آئندہ یہاں مت آنا۔"اس نے کوٹ بازو پہ ڈالا۔اور عام سے انداز میں کہہ کے چٹان سے اوپر جاتی ٹوٹی پھوٹی سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔

"کیوں؟ یہ جگہ کیا تمہارے باپ کی ہے؟" پیچھے سے اس کی للکار پہ وائل کے قدم جام ہوئے۔

اس نے غیر استہزائیہ انداز میں مسکراتے ہوئے دائیں بائیں گردن ہلائی۔

(عزت کچھ لوگوں کو واقعی راس نہیں آتی!)

وہ واپس مڑا اور ایک تیز نظر پیچھے گہری کھائی پہ ماری۔ پھر نظر امیرہ کی طرف پھیر کے اسے سر تا پیر غور سے دیکھا۔ وہ بھی آنکھوں میں الجھن لیے اسے دیکھ رہی تھی۔ اسے اندازہ بھی نہیں تھا وہ اس کے ساتھ کیا کرنے جا رہا ہے۔ چیچ، بے چاری لڑکی۔

وہ سیاہ آستینوں کے بٹن کھولنے لگا۔ پھر باری باری انہیں کہنیوں تک موڑا۔

وہ اس کی طرف متوجہ نہیں تھا مگر بنا دیکھے بھی وہ پورے وثوق کے ساتھ بتا سکتا تھا کہ اس لڑکی کے چہرے پہ گھبراہٹ کے تاثرات چیخ چیخ کے اپنے موجودگی کا احساس دلا رہے تھے۔

"تم.... تم کیا کر رہے ہو؟" آواز میں ڈر اور بے چینی کی جھلکے تھے۔

وہ اسے مکمل طور پہ نظر انداز کیے اب کوٹ کے جیب میں سے چمڑے (لیدر) کے سیاہ دستانے نکال رہا تھا۔ پھر انہیں دونوں ہاتھوں پہ چڑھا کے بٹن بند کیے۔ اس کی آدھی کلائیاں اب سیاہ چمڑے سے ڈھک چکی تھیں۔

(زبردست!) محفوظ سی شیطانی مسکراہٹ اس کے لبوں پہ بکھری۔

اس نے نظریں اٹھا کے سامنے کھڑی لڑکی کو دیکھا جو بری طرح خوف و ہراس کی لپٹ میں آئی ہوئی تھی۔ آنکھوں میں الجھن بھی تھی اور وحشت بھی۔

وائل نے اپنا کوٹ اچھال کے پیچھے پھینکا اور محفوظ سے انداز میں ایک قدم اس کی طرف بڑھایا۔

"میرے قریب.... مت آنا۔" آواز میں سہمی سی تنبیہ تھی۔

وائل نے ایک اور قدم اس کی طرف بڑھایا۔

امیرہ نے ہولے ہولے قدم پیچھے لینا شروع کر دیئے۔

وائل کی نظریں ایک مرتبہ پھر اس کے پیچھے گئیں۔ وہ اس قدر ڈری ہوئی تھی کہ اسے یہ بھی ہوش نہیں تھا پیچھے موت ہے۔ جس کی طرف اس کے قدم لا

شعوری طور پر بڑھتے ہی چلے جا رہے تھے۔ صرف پانچ قدم اور.... اس کے بعد امیرہ گئی کھائی میں۔

اور یہی تو وہ چاہتا تھا۔

"میں نے کہا میرے پاس مت آؤ۔" اس مرتبہ وہ لرزتی آواز میں چلائی تھی۔ سہمی سی صدا پہاڑوں سے ٹکرا کے واپس لوٹ آئی۔

وائل اب قدم گنے بغیر تیزی سے اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ نظریں امیرہ کے قدموں پہ تھیں۔ جو بے خبر سی اپنی موت کی طرف بڑھتی ہی چلی جا رہی تھی۔

ایک۔ دو۔ تین۔ چار۔ اور.... پانچ۔

ایک لمحے کی بھی دیر کیے بغیر اس نے کسی پرندے کی طرح اُڈاری لگائی اور چٹان کے دہانے، پیٹ کے بل جا گرا۔

امیرہ کے منہ سے چیخ نکل کر اس کے کانوں میں گونجی تھی۔ اور وہ لمحہ گزرنے سے پہلے اس کے ہاتھ میں اس کی کلائی آ گئی تھی۔

وہ جانتا تھا یہ کھیل خطرناک ہے۔ ایک لمحے کی بھی دیر کرتا تو وہ لڑکی کھائی میں

گر کے جنت پہنچ جاتی۔ مگر اس نے آدھے آدھے لمحے کا حساب لگا کے اس کھیل کو شروع کیا تھا۔ حساب کتاب میں وائل بِن آدم سے ماہر کوئی نہیں تھا۔

امیرہ نے سر اٹھا کے اوپر دیکھا۔ تنفس تیز تھا اور سانسیں بے ترتیب۔

"ہاتھ چھوڑ دوں.... یا تھامے رکھوں؟" وہ پُر اسرار سے انداز میں داہنی آنکھ جھپک کے بولا تو لہجہ استہزائیہ تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

قلبلار۔

"تمہیں اس پوری صفحہ ہستی پہ پناہ لینے کے لیے قلبلار کے علاوہ کوئی اور شہر نہیں ملا تھا؟"

www.novelsclubb.com

وہ غزال نامی ایک مقامی قہوہ خانے میں فیض بِن غفار نامی لڑکے کے سامنے بیٹھا تھا۔ تقریباً ایک برس پہلے اسے اس لڑکے کو حدائق نام کے ایک گاؤں سے جادو کے جرم میں گرفتار کر کے زندان پہنچانے کا کام سونپا گیا تھا۔ مگر اس نے راستے میں ہی اس کی ہتھکڑی کھول کے اسے فرار ہونے دیا تھا۔ زین نے عقل استعمال کر

کے یہ اندازہ لگایا تھا کہ ممکن ہے اس لڑکے کو واقعی اللہ کی طرف سے سچے الہام ہوتے ہوں۔اور مقامی لوگوں نے اسے جادو سمجھ لیا ہو۔وہ جادو جو مبینہ طور پہ ان کی دنیا سے ختم ہو چکا تھا۔اور اگر کوئی اس کا استعمال کرتا تو وہ سزا کا اہل ہوتا۔

تھوڑی دیر قبل وہ دونوں اتفاقیہ ایک دوسرے کے سامنے آ گئے تھے۔زین پچھلے چھ ماہ میں دو تین مرتبہ قلبلار آ چکا تھا مگر ایک شہر میں ہوتے ہوئے بھی اس کا راستہ کبھی بھی فیض سے نہیں ٹکرایا تھا۔اسے تو یہ معلوم بھی نہیں تھا کہ وہ گدھا بھاگ کے قلبلار آ گیا ہے۔اس نے جب اپنی آپ بیتی زین کو سنائی تو وہ اچھا خاصہ برہم ہوا۔

"مجھے کیا پتہ تھا کہ میرا پالا اس شہر کے سب سے خطرناک مجرموں کے ساتھ پڑ جائے گا؟"فیض بے بسی سے گردن جھٹکتے ہوئے منہ میں کچھ بڑبڑایا۔

"تو تم نے کیا سوچا تھا قلبلار میں علماء سے ملو گے؟"لہجہ استہزائیہ تھا۔

"ناکرو یار۔یہ کہتے ہوئے تم زین کم اور وائل زیادہ لگ رہے ہو۔"وہ خاصا بدمزہ ہوا۔

اس کے منہ سے اپنے نام کا غلط تلفظ سن کے زین نے دانت کچکچائے۔اس کا نام زبر والا زین تھا۔ مگر سب اسے زیر والے زین سے بلاتے تھے۔اس نے تنگ آ کے اب تصحیح کرنی ہی چھوڑ دی تھی۔

"وہ بھی ایسا کہتا ہے؟"زین نے چائے کی پیالی اٹھا کے سرخی بھری۔

"وہ کہتا ہے کہ اس شہر کے حالات جانتے ہوئے بھی لوگ پہلے منہ اٹھا کے یہاں آتے ہیں اور جب ان کے ساتھ کچھ برا ہوتا ہے تو پھر شکایتیں کرتے ہیں۔"

"میں متفق ہوں اس سے۔"اس نے شانے اچکائے۔

"ایسا تو مت کہو۔"فیض نے شکوہ کن نگاہوں سے زین کو دیکھا۔

"یہ بتاؤ کتنے سالوں کا معاہدہ کیا ہے اس کے ساتھ۔"اس نے پیالی سے ایک اور گھونٹ لیا۔

"تین۔"

"میرا یہی مشورہ ہے کہ اپنی مدت پوری کرو اور اس کے بعد ہمیشہ کے لیے اس شہر کو الوداع کہہ دینا۔"

"تم مشورہ نہ بھی دیتے تو میں یہی کرنے والا تھا۔" فیض کے کندھے ڈھلکے۔

"کیوں؟ تم ڈرتے ہو اس سے؟" وہ سر پیچھے گرا کے بے اختیار ہنسا۔

"اس سے کون نہیں ڈرتا۔ یہ نشان دیکھ رہے ہو؟" اس نے شرٹ کا اوپری بٹن کھول کے اسے دکھایا۔ زین سیدھا ہو کے بیٹھا اور بغور اس کی گردن دیکھی۔ وہاں گہری نیلاہٹ تھی۔ بیچ میں انگلیوں کی مضبوط گرفت کے نشان بھی نظر آتے تھے۔

"یہ اس عفریت کا کیا دھرا ہے۔" فیض نے تنفر سے دانت پیسے۔

زین نے افسوس سے چچ کیا۔

"ویسے ملنا پڑے گا اس وائل بِن آدم سے۔" قلبلار کے عفریت سے ملنے کا تجسس آج پھر سے پروان چڑھا تھا۔

"یقین مانو ایک بار تم اس سے مل لئے تو پھر کو سو گے اس وقت کو جب تم نے یہ خواہش کی تھی۔"

"میں تمہاری طرح کوئی عام شہری نہیں ہوں فیض بِن غفار جو وہ میری گردن

دبوچے گا اور میں اس سے ڈر جاؤں گا۔ میں غا بانوی فوج کا ایک تربیت یافتہ سپاہی ہوں۔ وہ مجھے ہاتھ تو لگا کر دکھائے، ہاتھ نہ توڑ دیئے اس کے تو میرا نام بھی زین بِن...."

ایک خادم لڑکی ان کے میز کے پاس آ کے رکی تو زین کی روانی سے چلتی زبان کو بریک لگی۔

وہ اپنے منہ دھیان میز پہ پڑے خالی برتن سمیٹنے میں مصروف تھی۔ اور زین کی نظر اس کی آنکھوں پہ ٹھہری تھی۔ نہ وہ آنکھیں اتنی معمولی تھیں جو دو ہفتے کے دورانیے میں بھول جاتیں۔ اور نہ وہ چہرہ اتنا عام تھا کہ اسے بھلا دیا جاتا۔

وہ کہاں تھا؟ کیوں؟ تھا؟ کس سے بات کر رہا تھا؟ یہ سب باتیں اس لمحے ثانوی ہو گئی تھیں۔ وہاں صرف وہ تھا اور اپنے کام میں مشغول وہ لڑکی تھی۔ وہ اب بھی اسے نہیں دیکھ رہی تھی۔ اور وہ اب بھی سانس روکے بس اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ آس پاس موجود لوگوں کے شور اور ہنگامے سے بے خبر۔

وہ برتن اٹھانے کے بعد وہاں سے چلی گئی۔ زین کی نرمی آمیز نظروں نے اس کا

تعاقب کیا۔ یہاں تک کہ وہ آنکھوں سے اوجھل ہو کر قہوہ خانے کی بھیڑ میں گم ہو گئی۔

"زین بِن ظفر نام ہے آپ کا۔" فیض قدرے اونچی آواز میں بولا تو توجہ واپس اس کی طرف مبذول ہوئی۔ "اور اگر میں علینہ کا بھائی ہوتا تو اسے اس طرح سے دیکھنے پہ اب تک آپ مرحوم زین بِن ظفر بن چکے ہوتے۔ لیکن میں اس کا بھائی نہیں ہوں۔ اس لیے مجھے بتاؤ کہ کیا چل رہا ہے تم دونوں کے درمیان؟"

علینہ۔ زبان نے بغیر آواز یہ نام پُر عقیدت انداز میں دہرایا تھا۔ یوں جیسے ہمیشہ کے لیے ذہن نشین کر رہی ہو۔

علینہ یعنی نازک۔

www.novelsclubb.com

"کچھ نہیں چل رہا۔ ہم دونوں تو ایک دوسرے کو جانتے بھی نہیں ہیں۔ دو ہفتے قبل نیلی جھیل کے پاس اتفاقاً ملے تھے۔" اس نے سنجیدہ انداز میں وہی کہا جو سچ تھا۔

"جھیل کے کنارے ملاقاتیں۔" فیض شرارت سے مسکرایا۔

"بکواس بند کرو اپنی فیض، یہ نہ ہو وائل بِن آدم نے جو کام ادھورا چھوڑ دیا ہے اسے میں پورا کر دوں۔" اس نے تیر نظروں سے فیض کی گردن کی طرف اشارہ کیا۔

وہ قدرے سہم کے پیچھے بیٹھا۔

"یوں دھمکاؤ تو مت یار۔" گلہ آمیز نظریں اٹھا کے اسے دیکھا۔ "خیر میرا آج جادوئی کرتب ہے۔ مجھے اس کی تیاری کرنی ہے۔ وقت ملا تو ضرور آنا۔ ناٹک خانے میں۔ رات دس بجے۔" وہ افراتفری میں اپنی نشست سے اٹھا۔ "تمہارا اکثر یہاں چکر لگتا رہتا ہے تو اب ملاقات بھی ہوتی رہا کرے گی۔" اس نے مصافحے کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا۔

www.novelsclubb.com

"بالکل۔ ویسے بھی اگلے تین سالوں تک تو تم کہیں نہیں جا رہے۔" اس نے تپانے والے انداز میں یاد دہانی کرائی تو فیض نے خفگی سے لب بھینچے۔

وہ چلا گیا تو زین آرام سے اپنی چائے ختم کرنے لگا۔ یکدم آسمان پہ بادل گرجے اور پھر تڑاتڑ بوندیں برسنے لگیں۔ وہ کھڑکی کے ساتھ والے میز پہ بیٹھا تھا۔ اس نے

ہاتھ باہر نکال کے بارش کو محسوس کیا۔اسے بارش سے چڑ تھی۔لیکن آج بارش اسے بری نہیں لگ رہی تھی۔نجانے کیوں؟

علینہ ہاتھ میں ٹرے پکڑے واپس اس کے پاس سے گزری تو وہ فوراً اپنی کرسی سے اٹھ کے اس کے پیچھے لپکا۔

"علینہ؟" پیچھے سے آواز دی۔لیکن لوگوں کے شور میں اس کی آواز دب سی گئی۔"علینہ بات سنو۔" وہ قدموں کی رفتار بڑھا کر اس کے پاس سے گزر کے اچانک سامنے آ کھڑا ہوا تو ٹرے اس کے ہاتھوں سے پھسل کے گر گئی۔وہ خود بھی بے ساختہ پیچھے ہوئی تھی۔

زین نے ایک نظر زمین پر پھیری۔صرف چند ایک پیالی ہی سلامت بچی تھی باقی سب ٹوٹ کے کرچی کرچی ہو گئی تھیں۔

"میں جانتا ہوں میری غلطی ہے لیکن میں نے جان بوجھ کر نہیں کیا۔" اس نے فوراً معذرت کی۔

"کوئی بات نہیں۔" اس کا چہرہ بے تاثر تھا۔

وہ زمین پہ جھک کے پیالیوں کے ٹکڑے سمیٹنے لگی۔زین بھی اس کے مقابل بیٹھا اور مدد کی۔

سب کچھ سمٹ گیا تو اس نے ویران آنکھیں اٹھا کے زین کو دیکھا۔"مدد کے لیے شکریہ۔"

اس نے سر کو خم دے کے تشکر قبول کیا۔اب وہ دونوں ہجوم کے درمیان ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے تھے۔

وہ انتظار میں تھا۔ابھی واقفیت کی کوئی رمق اس کی آنکھوں میں ابھرے گی۔

لیکن وہ اٹھی اور آگے بڑھ گئی۔

زین کا منہ تعجب سے کھل گیا۔ان کی ملاقات اتنی رسمی یا معمولی تو نہیں تھی جو وہ اسے اتنی جلدی بھول جائے۔

اسے آج بھی اچھے سے یاد تھا جب اس نے دو ہفتے قبل علینہ کو پہلی مرتبہ دیکھا تھا۔

(وہ قلبلار کا مرکزی قبرستان تھا جو اونچے پہاڑوں کے درمیان کھلے میدان میں

بنایا گیا تھا۔بصارت میں دور دور تک محض قبریں ہی دکھائی دیتی تھیں۔

عصر کی اذان کچھ گھڑیاں قبل ہی قلبلار کی مسجدوں میں گونجی تھی۔نیلے آسمان پہ دہکتا سورج سفید برفیلے پہاڑوں کی اوٹ میں چھپ گیا تھا۔قبرستان میں نمک گرا کے اکثر برف پگھلادی گئی تھی۔البتہ فاصلے فاصلے پہ تھوڑی سفیدی ابھی بھی نظر آتی تھی۔

زین اپنے بھائی،زید کی قبر پہ کھڑا دعا مانگ رہا تھا۔آنکھیں بند تھیں اور ہاتھوں کا پیالہ بنا کے چہرے کے سامنے پھیلا رکھا تھا۔دعا کے اختتام میں اس نے آمین کہہ کے دونوں ہاتھ چہرے پہ پھیرے۔آنکھیں کھولیں تو نظروں میں ایک سبز لباس میں ملبوس انوکھی آنکھوں والی لڑکی کا چہرہ عکس بند ہو گیا۔

وہ اس سے چار قبروں کے فاصلے پہ موجود پانچویں قبر کے سامنے بیٹھی اس کے کتبے کو دیکھ رہی تھی۔زین کی نظریں بھی اس طرف گئیں۔مگر وہ کتبہ برف سے اٹا تھا۔اس کے اوپر ہوئی لکھائی سفیدی کے باعث واضح نہیں تھی۔

زین نے نظریں واپس اس کے چہرے کی طرف موڑ کے اسے غور سے دیکھا۔

اور پھر کافی دیر دیکھتا رہا۔

اس کی اپنی آنکھیں بہت منفرد اور نرالی تھیں۔رنگ میں نہیں، فطرت میں۔ مگر سامنے بیٹھی لڑکی کی آنکھوں جیسی آنکھیں اس نے زندگی میں پہلے کبھی نہیں دیکھی تھیں۔ان کا رنگ بہت غیر فطری تھا۔اپنے آپ میں اکیلا۔گلابی مائل بنفشی رنگ۔

مگر وہ اس کی آنکھوں کا رنگ نہیں تھا جس نے زین کو اپنی طرف کھینچا تھا۔وہ ان ہیرانما آنکھوں میں نظر آنے والا خالی پن تھا۔اس کی آنکھیں اداس نہیں تھیں۔ اس کی آنکھیں ویران تھیں۔جیسے وہ خود سے لاپتہ ہو۔راستہ بھٹک کے اس دنیا کی بھیڑ میں کھو گئی ہو۔اپنی رہگزر سے گمراہ ہو گئی ہو۔

www.novelsclubb.com

وہ کافی دیر وہاں بیٹھی خالی نگاہوں سے قبر کا کتبہ دیکھتی رہی۔اور وہ بنا پلکیں جھپکے اسے دیکھتا رہا۔نگاہ جیسے اس سے ہٹنے کو تیار ہی نہیں تھی۔

وہ تو اس قدر بے خبر تھی کہ اسے یہ تک معلوم نہ تھا کہ کوئی اسے اس طرح دیکھ رہا ہے۔

پھر وہ اٹھی اور اپنا تھیلا کندھے پہ ڈالے پیچھے کی طرف مڑ گئی۔

زین دبے قدموں اس کے پیچھے چل دیا۔ذہن نے کہا اس کا پیچھا مت کرو۔دل نے کہا اسے تنہا مت چھوڑو۔دل اور دماغ کے اس تصادم میں دماغ نے دل کی پیروی کی۔اور یہاں زین بِن ظفر کی عقلیت پہ پردہ پڑ گیا۔

کافی دیر اس کا تعاقب کرنے کے بعد اسے احساس ہوا کہ اس کی منزل نیلی جھیل تھی۔وہ جھیل جس کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ وہاں اپسرائیں اترتی ہیں۔آج سے پہلے اسے یہ جملہ حماقت لگتا تھا۔آج حقیقت لگا تھا۔)

وہ اٹھا اور مڑ کر اس راہ پہ نظر دوڑائی جہاں سے وہ گزر کے گئی تھی۔وہ اب کہیں نہیں تھی۔اور اس کے لیے شاید زین بھی کہیں نہیں تھا۔

زین نے اس کے خیال کو سر سے جھٹکا۔اسے کچھ دنوں میں غابانیہ واپسی کے لیے روانہ ہونا تھا۔ابوالحسن کسی غیر ملکی دورے پہ نکلا ہوا تھا، جس پہ وہ اسے اپنے ساتھ لے کر نہیں گیا تھا۔لیکن اب اس کی واپسی کے دن قریب تھے۔اور اس کے لوٹنے سے پہلے زین کو جبلین واپس لوٹنا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

قلبلار۔

"ہاتھ چھوڑ دوں.... یا تھامے رکھوں؟"الفاظ تھے یا کیا....امیرہ سانس نہیں لے سکی۔

"تم.... تم الادین کیسے ہو سکتے ہو؟"اس نے دوسرے ہاتھ سے چٹان کے دہانے کو زور سے پکڑا۔

اس کا ذہن بری طرح سے الجھا تھا۔وائل بن آدم الادین کیسے ہو سکتا تھا؟اسے الادین سے ہوئی وہ ہنگامی ملاقات اچھے سے یاد تھی۔اس کا قد کاٹ وائل سے قطعی مختلف تھا۔یا پھر شاید اس کے جسم پہ چغے کی موجودگی کے باعث امیرہ کو مغالطہ ہوا تھا؟

نہیں۔ان دونوں کی تو چال ڈھال میں بھی مشرق مغرب کا فرق تھا۔وائل بِن آدم کے تیز قدم انتہائی پُراعتماد ہوتے تھے۔اور الادین ہر ایک قدم محتاط انداز میں اٹھاتا تھا۔نہ بہت تیز۔نہ بہت آہستہ۔

"کیوں نہیں ہو سکتا؟ تم نے چہرہ دیکھا تھا اس کا؟" وہ استہزائیہ مسکراہٹ لیے پوچھ رہا تھا۔

امیرہ کا سر نفی میں ہلا۔ "پھر بھی تم وہ نہیں ہو سکتے۔ تم دونوں کی آواز میں زمین آسمان کا فرق ہے۔"

الادین کی آواز سرد تھی مگر اس میں شہد جیسی مٹھاس تھی۔ جبکہ وائل بِن آدم کے منہ سے صرف زہر اگلتا تھا۔ کڑواہٹ بھرا زہر۔ وہ صرف الفاظ سے بھی جان لے سکتا تھا۔

وہ اطمینان سے مسکرایا۔ جیسے یہی سننے کی توقع کر رہا تھا۔

"امیرہ بی بی میں اپنی باتیں دہرانے کا عادی نہیں ہوں۔ لہذا جو کہنے جا رہا ہوں وہ دونوں کان کھول کے سنو اور اس پہ عمل کرو۔" وہ کٹھور لہجے میں مخاطب ہوا تھا۔ چہرے سے استہزاء کے سب تاثرات ہوا ہو چکے تھے۔ البتہ امیرہ کی کلائی اس نے ابھی تک مضبوطی سے تھام رکھی تھی۔ "اس رات تم نے جو دیکھا اسے ایک بھیانک خواب سمجھ کر بھول جاؤ۔"

وہ تیز سانسیں لیتی، بھنویں سکیڑ کر اسے سنے گئی۔

"الادین کا وجود ایک بھید ہے، اسے بھید ہی رہنے دو۔ عاصم بِن اسلام کے ساتھ مل کے تم جو کھچڑی پکا رہی ہو اسے ادھ پکا ہی چھوڑ دو۔ ورنہ اپنے انجام کی ذمہ دار تم خود ہو گی۔"

"اور اگر میں ایسا نہ کروں تو کیا کرو گے تم؟ مجھے یہاں مرنے کے لیے چھوڑ جاؤ گے؟" دل کانپ رہا تھا مگر نجانے اس میں اتنی ہمت کہاں سے آئی تھی۔ جس شخص کے ہاتھ میں اس وقت اس کی زندگی کی ڈور تھی وہ اس سے الجھ رہی تھی۔ اور کیوں؟ صرف اس کی انا کو زخمی کرنے کے لیے۔

"یعنی تم میری بات نہیں مانو گی؟" وائل بِن آدم کے ماتھے کی لکیریں گہری ہوئیں۔

"میں تم سے ڈرتی نہیں ہوں۔" وہ دانت پہ دانت جمائے بولی۔

"تو پھر مرو۔" ایک لمحے کی بھی دیر کیے بغیر اس سفاک انسان نے اس کی کلائی چھوڑ دی۔

لحظے بھر کے لیے امیرہ کا دل بند ہوا تھا۔ جس کے بعد ایک تیز چیخ لبوں سے جدا ہوئی۔

وہ زمین سے اٹھا۔اس کے سامنے بے تاثر چہرہ لیے اپنے کپڑوں سے مٹی جھاڑی اور پھر وہاں سے چلا گیا۔

امیرہ کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔اس نے بدقت دوسرے ہاتھ سے برگد کے پیڑ کی ایک لٹکتی شاخ کو پکڑا۔اس نے اوپر اٹھنے کی کوشش کی مگر نتیجہ ناکامی رہا۔اس بے حس انسان کے سامنے اب تک وہ جو بہادری کا دکھاوا کرتی آئی تھی وہ اب ختم ہو چکا تھا۔امیرہ کو اس سے رحم کی کوئی توقع نہیں تھی لیکن وہ واقعی اسے ایسے لٹکتا چھوڑ جائے گا....اتنا آگے تک تو اس نے سوچا ہی نہیں تھا۔

www.novelsclubb.com

اس کا حلق خشک ہو رہا تھا۔آنکھوں سے آنسوں گرنا شروع ہو چکے تھے۔ٹپ۔ ٹپ۔ٹپ۔

"کیا ضرورت تھی اس سے الجھنے کی؟"اس نے بے بسی سے خشک لبوں کو تر کیا۔"یا اللہ!"خدا کو یاد کیا اور پھر حلق کے بل مدد کے لیے چلانا شروع کر دیا۔اس

کے دونوں ہاتھ چھلنی ہو چکے تھے۔کافی دیر تک چلانے کے بعد بھی جب کوئی نہ آیا تو بے بسی سے آنکھیں بند کر لیں۔شاخ اس کے ہاتھ سے بے اختیار چھوٹ گئی۔ صرف چٹان کا آسرا باقی رہا۔وہ اب ہچکیوں سے رو رہی تھ۔ہاتھ سے بہتی سرخ نمی اب بازو پہ منتقل ہو رہی تھی۔

"میں ایسے مرنا نہیں چاہتی اللہ تعالیٰ۔"بند آنکھوں سے التجا کی۔لمحہ بہ لمحہ اس کا ہاتھ چٹان کے دہانے سے پھسلتا چلا جا رہا تھا۔اور پھر وہ لمحہ آیا جب اس کا ہاتھ چھوٹ گیا۔اور وہ لمحہ گزرنے سے پہلے اسے اپنے ہاتھ پہ کسی کا لمس محسوس ہوا۔ اس نے ایک دم سے آنکھیں کھولیں اور اوپر دیکھا۔متحیر نظروں سے۔

وہ پنجوں کے بل بیٹھا اب اس کا دوسرا ہاتھ پکڑ رہا تھا۔ہاتھوں پر سیاہ دستانے ابھی تک چڑھا رکھے تھے۔اس کا تنفس تیز تھا۔وہ یقیناً بھاگ کر واپس آیا تھا۔

امیرہ ناقابل یقین حد تک ششدر تھی۔

اس نے اسے دونوں ہاتھوں سے پکڑ کے پورا زور لگا کر اوپر کی طرف کھینچا۔

امیرہ اب دوزانوں بیٹھی گہرے سانس لینے لگی تو وہ اٹھ کر دوسری طرف چلا

گیا۔

اس نے اپنا دائیاں ہاتھ اوپر کر کے دیکھا۔اس پہ خون کے دھبے لگے تھے۔پانی سے بھری ایک لوہے کی ایک بوتل اس کے سامنے کی گئی۔امیرہ نے گردن اٹھا کے اوپر دیکھا۔وہ اس کے سامنے کھڑا تھا۔دائیاں ہاتھ اس کی طرف بڑھائے۔بائیں ہاتھ میں اپنا کوٹ تھامے۔جیسے وہ واقعی اس کا محسن تھا۔امیرہ نے پوری قوت سے ہاتھ مار کے بوتل کو پرے پھینکا۔اور اٹھ کے اس کے گریبان پہ جھپٹی۔

کوٹ وائل کے ہاتھ سے گر گیا۔

"میں نے زندگی میں کبھی کسی سے اتنی نفرت نہیں کی جتنی تم سے کرتی ہوں۔" وہ اس کے چہرے کے قریب جا کر غرائی تھی۔"تمہیں کیا لگتا ہے،ایسے ڈرا کے تم مجھے پیچھے ہٹانے میں کامیاب ہو جاؤ گے؟میں تمہیں برباد کر دوں گی وائل بِن آدم...."

"میں بھی کوئی تمہارے عشق میں گرفتار نہیں ہوں۔"اس نے جھٹکے سے اس کے ہاتھ اپنے گریبان سے ہٹائے۔"نفرت کرتا ہوں میں بھی تم سے۔تمہاری

شکل سے۔ تمہاری آواز سے۔ تمہاری آنکھوں سے۔ تمہاری باتوں سے۔ تمہاری مسکراہٹ سے۔ تمہاری موجودگی سے۔ تمہارے پورے وجود سے۔" وہ عین اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اپنے اندر کا زہر اگل رہا تھا۔ سرمئی آنکھوں میں سرخ لکیریں نمایاں دکھائی دے رہی تھیں۔ کان بھی سرخ ہو چکے تھے۔ امیرہ کو اس کی نظریں تیر اور الفاظ چابک کی طرح لگے تھے۔ وہ کافی لمحے کچھ بول نہ سکی۔

"اتنا زہر؟ اتنی نفرت؟ میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟" نفرت آمیز انداز میں دونوں ہاتھ اس کے سینے پہ مار کر اسے پیچھے دھکیلا۔

وائل نے اس کے ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لیے۔ "برا لگ رہا ہے؟ سب کی آنکھوں کا تارا بننے کے بعد ایک شخص کی نفرت برداشت کرنا تکلیف دہ لگ رہا ہے؟" لہجہ تمسخرانہ تھا۔

امیرہ نے اپنے ہاتھ اس کی گرفت سے چھڑوائے۔ "میری جوتی کو بھی پرواہ نہیں ہے تم میرے بارے میں کیا سوچتے ہو۔ لیکن آج یہاں (اس نے ہاتھ سے کھائی کی طرف اشارہ کیا) جو تم نے میرے ساتھ کیا ہے نا وہ میں اپنی آخری سانس

تک یاد رکھوں گی۔" وہ آنکھوں میں بے پناہ اشتعال، حقارت اور نفرت لیے اسے دیکھ رہی تھی۔

"میں بھولنے والی چیز ہوں بھی نہیں امیرہ بنتِ آدم...."

"میں تمہیں برباد کر دوں گی۔" وہ اس کی بات کاٹے ہوئے درشتی سے بولی۔

اس نے سنا ان سنا کر دیا۔

"یہ میری طرف سے تمہارے لیے آخری تنبیہ تھی۔ تمہاری بھلائی اسی میں ہے کہ اپنے آپ کو مجھ سے اور میرے مسئلوں سے دور رکھو۔ اور ایسا اسی صورت ممکن ہے جب تم یہ شہر چھوڑ کر جاؤ گی۔"

"اور میں ایسا کیوں کروں گی؟" امیرہ نے چنوتی دینے والے انداز میں کہا۔

"کیونکہ قلبلار میرا شہر ہے (اس نے انگشت شہادت سینے پہ رکھی) اور میرے شہر میں تمہاری موجودگی مجھے گوارا نہیں ہے۔"

اس نے جھک کر ترش انداز میں اپنا کوٹ اٹھایا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے چلا گیا۔

امیرہ اسے سلگتی نظروں سے جاتا دیکھتی گئی۔

"اور مجھے اس دنیا میں تمہاری موجودگی گوارا نہیں ہے۔ تم دنیا کیوں نہیں چھوڑ دیتے؟" وہ زیر لب بڑبڑاتی پاؤں پٹخ کے رہ گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

قلبلار۔

شام گہری ہو چکی تھی۔ قلبلار کے مشہور و معروف طبیب ذوالقرنین کے دو منزلہ گھر کے چراغ جل رہے تھے۔

وائل قدرے ناخوش سا داخلی دروازے کے باہر کھڑا تھا۔ وہ تین بار دروازہ کھٹکھٹا چکا تھا مگر جواب ندارد رہا تھا۔ چوتھی مرتبہ اس نے لکڑی کے دروازے کو باقاعدہ پیٹا تھا۔ دروازے کے پٹ جدا ہوئے تو اس نے اسی مخصوص ملازم کو اپنے سامنے کھڑا پایا جو ہر مرتبہ اس کے لیے دروازہ کھولا کرتا تھا۔

"کون؟" بے نور آنکھوں سے خلا میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔ وہ انتہائی شیریں لب و لہجے میں بولتا تھا۔

"طبیب ذوالقرنین کا سب سے خاص دوست۔" ہر مرتبہ دیا جانے والا جواب سنجیدگی سے دہرایا۔

"خوش آمدید سبحان صاحب۔" ملازم کے چہرے پہ خوشگوار مسکراہٹ بکھری۔اس نے اسے اندر جانے کا راستہ دیا۔وہ نابینا تھا۔ مگر آواز سے اسے ہمیشہ پہچان لیتا تھا۔

وائل اندر داخل ہوا تو رُخ سیدھا ذوالقرنین کے دواخانے کی جانب کر لیا۔وہ جانتا تھا،وہ اسے وہیں ملے گا۔

اس نے دھڑام سے دروازہ کھولا۔دوائیوں کی مہک نتھنوں سے ٹرائی۔

ذوالقرنین،جو دو مختلف ادویات کے مائع کو ایک شیشی میں گول رہا تھا پیشانی پہ سلوٹیں لیے اسے برہمی سے دیکھنے لگا۔

"تمہیں کون سی زبان میں سمجھانا پڑے گا کہ یوں منہ اٹھا کے میری رہائش گاہ پہ مت آیا کرو۔"

وہ کوئی پچاس پچپن برس کا لمبا چوڑا مرد تھا۔اور اس طویل زندگی سے اس نے

اپنے لیے صرف تجربہ کمایا تھا۔ سفید بال نہیں۔ کیونکہ عمر کے اس حصے میں بھی سر پہ نیم بھورے بالوں کے درمیان صرف چند ایک سفید بال ہی نظر آتے تھے۔ گھنی دھاڑی میں بھی کوئی سفید بال موجود نہیں تھا۔ نہ ہی چہرے پہ جھریوں کا کوئی نام و نشان تھا۔ وہ اپنی عمر سے کئی جوان دکھتا تھا۔ وہ خوبصورت نہیں تھا۔ لیکن وہ انتہائی پُر وقار شخصیت کا مالک تھا۔ وہ ایک ایسا مرد تھا جس سے حسد کیا جاتا۔

"مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے۔" وائل ایک طرف رکھے صوفے پہ شکستہ سے انداز میں بیٹھا۔ کوٹ اتار کے صوفے کے ہتھ پہ رکھ دیا۔

ذوالقرنین نے اسے بغور دیکھا۔ وہ اضطرابی کیفیت میں لگ رہا تھا۔

اس نے شیشی کو میز پہ رکھا۔ تھوڑی دیر بعد اس کے ساتھ آ کے بیٹھ گیا۔

"کوئی مسئلہ ہوا ہے؟" لہجہ نرم تھا۔

وائل نے سر صوفے کی پشت سے ٹکا کے آنکھیں موند لیں۔

"میرا دل۔" داہنی ہتھیلی سینے پہ رکھی۔ گہرا سانس لیا۔ "میرا دل اتنی زور سے دھڑکتا ہے کہ مجھے ڈر ہے کسی بھی وقت پھٹ جائے گا۔"

"اس میں کوئی تعجب کی بات تو نہیں۔ تمہارا دل عام انسانوں کے مقابلے سریع رفتار سے ہی دھڑکتا ہے، کیونکہ تمہاری رگوں میں خون کی گردش اوسط رفتار سے کئی درجے تیز ہوتی ہے۔" وہ گہری بھوری آنکھیں اس پہ مرکوز کیے اسے بغور دیکھ رہا تھا۔ شاید اس کا چہرہ پڑھ رہا تھا۔

"اور پچھلے دو تین ہفتوں سے اس رفتار میں مزید اضافہ ہو گیا ہے۔" اس نے نہ چاہتے ہوئے بھی اعتراف کیا۔

"کیا پچھلے چند دنوں میں کوئی غیر معمولی واقعہ ہوا ہے؟" ذوالقرنین کے ابرو استفہامیہ انداز میں اٹھے۔

وہ خاموش رہا۔ آنکھوں کے سامنے سنہری آنکھوں والا نورانی چہرہ جگمگایا۔ اس نے بے بسی سے سر جھٹکا۔

"تم کچھ بتاؤ گے نہیں تو میں تمہاری مدد نہیں کر سکوں گا۔"

وائل نے تھوک نگلا۔ گلے میں گلٹی بنی۔ "ایک لڑکی ہے...."

"میں نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا کہ تم میرے سامنے کسی لڑکی کا ذکر کرو

گے۔" بات مکمل ہونے سے پہلے ہی ذوالقرنین نے اس کی بات کاٹ دی تھی۔

اس نے آنکھیں کھولیں۔ چہرے کا رُخ ذوالقرنین کی جانب کیا۔ ماتھے پہ لکیریں پڑی تھیں۔

"خود سے نتیجے اخذ مت کرو۔ پہلے میری پوری بات سنو۔" لہجے میں ناگواری کا عنصر واضح تھا۔

ذوالقرنین نے ہاتھ سے اسے گفتگو جاری رکھنے کا اشارہ کیا۔

"امیرہ نام کی ایک لڑکی ہے۔ وہ مجھے قطعاً اچھی نہیں لگتی۔ وہ میرے سامنے آتی ہے تو مجھے کوفت محسوس ہوتی ہے۔ میں اسے دیکھتا ہوں تو مجھے غصہ آنے لگتا ہے۔ بہت سارا غصہ۔ بلاوجہ۔" اس نے اپنی شرٹ کے اوپر والے دونوں بٹن نوچ کے کھولے۔ "اور.... اور میرا دل اتنے زور سے دھڑکتا ہے کہ مجھے میرے کانوں کے پردے پھٹتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔" اس نے دونوں کان باری باری چھوے۔ آواز اور لہجے میں بے چینی تھی، الجھن تھی۔

وہ کبھی بھی ہاتھوں سے اشارے کر کے بات نہیں کرتا تھا۔ آج کر رہا تھا۔

ذوالقرنین اس کے چہرے کے ساتھ ساتھ ہاتھوں کی بے ترتیب حرکات بھی پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"مجھے اس کے ساتھ عجیب و غریب قسم کے خواب آتے ہیں۔اور اب....اب تو وہ مجھے دن دھاڑے کھلی آنکھوں سے بھی نظر آنے لگی ہے۔میرے ذہن اور حواسوں پہ اس لڑکی کا اس طرح سے اثرانداز ہونا میری سمجھ سے بالاتر ہے۔"آخر میں اس کی آواز مزید بے قرار اور اونچی ہوئی تھی۔

ذوالقرنین چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔

"تمہیں غصہ اس پہ نہیں آتا۔"گردن دائیں بائیں ہلائی۔

"کیا مطلب؟"وائل چونک کے سیدھا بیٹھا۔

"خود پہ غصہ آتا ہے۔کوفت بھی اس سے نہیں خود سے محسوس ہوتی ہے۔"

وائل کی گردن نفی میں ہلی۔"نہیں۔"

"ایسا ہی ہے۔تم اپنی عمر کے جس حصے میں ہو اس میں انسان کی کچھ جسمانی ضروریات ہوتی ہیں...."

"تم کہنا چاہتے ہو یہ ہوس ہے، جسے میں قبول نہیں کرنا چاہتا۔اسی وجہ سے مجھے خود پہ غصہ بھی آتا ہے؟"اس کے بولنے کے انداز میں تلوار جیسی کاٹ تھی۔

ذوالقرنین نے دھیرے سے کندھے اچکا دیئے۔

اس نے ٹھوڑی پہ ہاتھ پھیرا۔ سر اوپر نیچے ہلایا۔

"اگر تم میرے باپ کی عمر کے نہ ہوتے تو ایسی بات کرنے پہ میں تمہارا منہ توڑ دیتا۔"کاٹ دار لہجے میں الفاظ اس کے منہ پہ پھینکے۔

"میں تمہارا باپ ہوتا تب بھی تم میرا لحاظ نہ کرتے۔جانتے ہو نا، مجھے ہاتھ لگاؤ گے تو پھر خود بھی یہاں سے زندہ بچ کر نہیں نکل سکو گے۔"

وائل نے سر جھٹکا اور پُر سکون سانس لینے لگا۔اسے کمرے میں موجود ادویات کی بدبو ستا رہی تھی۔

"ہوس ہوتی تو مجھے اسے پانے کی چاہ ہوتی، جو کہ نہیں ہے۔"اس نے دھیمی آواز میں سامنے دیکھتے ہوئے گفتگو کو جاری کیا۔"وہ لڑکی تو خوبصورت بھی نہیں ہے۔ہوتی بھی تو میں حسن پرست نہیں ہوں۔میں نے اس سے خوبصورت

لڑکیاں دیکھ رکھی ہیں۔جب پہلے کبھی ایسا کچھ نہیں ہوا تو پھر اب کیوں؟"

ذوالقرنین کافی دیر پُر سوچ نظروں سے اسے دیکھتا رہا پھر گہرا سانس لے کے بولا۔

"اگر یہ ہوس نہیں ہے تو پھر...."

"محبت مت کہنا۔" وہ برہم ہوا۔

نجانے کیسے لیکن اس نے بھانپ لیا تھا کہ وہ کیا بکواس کرنے جا رہا ہے۔

"وہ صرف افسانوی کہانیوں میں ہوتی ہے۔"

"حقیقی زندگی میں بھی ہوتی ہے۔" ذوالقرنین کا انداز اٹل تھا۔

"میں نہیں مانتا۔" اس نے ہاتھ جھلایا۔

www.novelsclubb.com

"کل کو تم خدا کو ماننا چھوڑ دو گے تو اس کا یہ مطلب تو نہیں کے خدا وجود نہیں رکھتا۔"

"میرے ساتھ فلسفی مت بنو۔ جس دن میرا فلسفیانہ باتیں سننے کا من ہوا اس دن وقت نکال کے خود تمہارے پاس آجاؤں گا۔ فی الحال مجھے کوئی ایسی دوا دو کہ یہ

نادان دل شور مچانا چھوڑ دے۔" ہاتھ سینے تک گیا۔

"اس مرض کا کوئی علاج نہیں ہے، وائل بِن آدم۔"

"میں کیا بکواس کر رہا ہوں کہ یہ محبت نہیں ہے۔" آنکھوں میں بے پناہ بیزاری لیے درشتی سے بول کے اس نے نظریں چرا لیں۔

ذوالقرنین نے ہونٹ کھولے۔ پھر منہ موڑ کے سامنے خلا میں دیکھنے لگا۔

"ہے بھی تو موت کے علاوہ ہر بیماری قابلِ علاج ہے۔ ایسا علینہ کہتی ہے۔"

بالآخر خاموشی وائل نے ہی توڑی۔

"علینہ.... اچھی طبیب ہے۔" اس کی آنکھوں میں فخریہ تاثرات اجاگر ہوئے۔

www.novelsclubb.com

"اسی لیے میرے گروہ کا حصہ ہے۔"

ذوالقرنین کھنکھارا۔ "اور کیا محسوس کرتے ہو تم؟"

وائل نے اسے آنکھیں دکھائیں۔ وہ گفتگو کا رخ واپس اسی موضوع کی جانب موڑ رہا تھا جس پہ بات کرنے سے وہ کتراتا تھا۔

"تم نے پوری بات نہیں بتائی، عفریت۔ اگر مسئلے کا حل چاہیے تو پہلے اس کی جڑ تک پہنچنا ہو گا۔"

اس نے لمبا سانس خارج کیا۔

"میں اس سے حال ہی میں ملا ہوں، لیکن...." رک کے الفاظ تلاش کیے۔

"لیکن یوں لگتا ہے جیسے میں اسے ہمیشہ سے جانتا ہوں۔ جیسے.... ہمیشہ کی وابستگی ہو ہم دونوں کے درمیان۔ جب وہ سامنے نہیں ہوتی تب بھی میں اس کے بارے میں سوچنا نہیں چھوڑ پاتا۔" وہ رکا۔ غیر آرام دہ ہو کے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔

ذوالقرنین اس کی ہر حرکت باریکی سے جانچ رہا تھا۔ وہ گھبرایا ہوا تھا۔ یا شاید ڈرا ہوا تھا۔ خود سے۔

www.novelsclubb.com

"ایسا کیا رشتہ ہے میرے اور اس کے درمیان جو میری سوچوں کو بار بار اس کی طرف کھینچ کر لے جاتا ہے؟ میں اس کا خیال اپنے ذہن سے کیوں جھٹک نہیں پاتا؟" اس نے اپنا سر شکست خوارگی کے عالم میں دونوں ہاتھوں میں گرا لیا۔ "میں نے اس سے پہلے کبھی کچھ ایسا محسوس ہی نہیں کیا۔ مجھے لگتا ہے اسے سوچتے سوچتے

میں پاگل ہو جاؤں گا۔مجھے سمجھ نہیں آ رہا میں ایسا کیا کروں کہ یہ احساس مر جائے۔"اس نے سر اٹھا کے بے قرار نگاہوں سے ذوالقرنین کو دیکھا۔ہمیشہ سرد نظر آنے والی آنکھوں میں آج شدت بھری تکلیف تھی۔

"تم تو بہت باتجربہ ہو نا.... تم بتاؤ میں کیا کروں کہ یہ (دل پہ ہاتھ رکھا) جان لیوا احساس بھسم ہو جائے؟"

وہ چند لمحے پُرافسوس نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔وہ وائل بِن آدم کو گزشتہ سات برسوں سے جانتا تھا۔وہ لڑکا اس کی آنکھوں کے سامنے اپنی جوانی کے سالوں میں داخل ہوا تھا۔شروعات کے چند دنوں کے علاوہ اس طویل عرصے میں اس نے ایک دفعہ بھی اسے اس قدر بے ترتیب اور پریشان حالت میں نہیں دیکھا تھا۔

"اسے دیکھنا چھوڑ دو۔"بھوری آنکھیں اس کی آنکھوں پہ جمائے وہ نصیحت آمیز لہجے میں بولا۔

"وہ خود میرے سامنے آ جاتی ہے۔جہاں جاتا ہوں وہاں وہ ہوتی ہے۔"وہ مزید جھنجھلاہٹ سے دوچار ہوا۔

"آنکھیں بند کرتا ہوں تو وہ نظر آتی ہے۔آنکھیں کھولتا ہوں تو وہ دکھتی ہے۔ غزال میں، کتب خانے میں، گلیوں میں، پہاڑوں میں، باغیچوں میں، میری نیندوں میں، میرے خوابوں میں.... ہر جگہ صرف وہی ہے۔جب خواب میں نہیں ہوتی تو حقیقت میں کہیں سے نازل ہو جاتی ہے۔"اس کے اندر کی بے تابی الفاظ کے ذریعے باہر نکل رہی تھی۔

"قلبلار اور قلبلار کی گلیاں جیسے اب صرف اسی کی ہو کر رہ گئی ہیں۔باقی سب تو مر گئے ہیں۔میں جس شدت سے اسے نظر انداز کرنے کی کوشش کرتا ہوں، وہ اسی کثرت سے میرے سامنے آجاتی ہے۔ابھی تھوڑی دیر پہلے بھی ملی تھی۔اور میں نے...."وہ جو اضطرابی کیفیت میں تیزی سے بولے جا رہا تھا، ہونٹ یکدم بند ہو گئے۔گلے میں گلٹی ابھری۔غائب ہوئی۔نظریں واپس خلا کی طرف مڑ گئیں۔

"تم نے؟"زوردار لہجے میں استفسار کیا گیا۔

"میں نے اسے جان سے مارنے کی کوشش کی ہے۔"اس نے دھیمی آواز میں بتایا۔

"کیا!" ذوالقرنین صدمے سے چلایا تھا۔ "کیوں؟"

"وہ میرے لیے مسائل پیدا کر سکتی ہے۔ اس نے الادین کو دیکھ لیا ہے۔ وہ میرے کسی دشمن سپاہی اہلکار کے ساتھ مل کے مجھے برباد کرنا چاہتی ہے۔ مجھے اس سے ہر حال میں چھٹکارا چاہیے۔"

"اس بات کا خیال اس بیوقوف الادین کو رکھنا چاہیے تھا۔ اسے اپنا کام خفیہ رہ کر کرنا چاہیے تھا۔" ذوالقرنین اس سارے معاملے میں پہلی مرتبہ حقیقی طور پہ پریشان ہوا تھا۔

"ٹھیک کہہ رہے ہو۔ وہ واقعی اس دنیا کا سب سے بڑا گدھا ہے۔ وہ کہتا ہے اس لڑکی کی وہاں موجودگی کا احساس اسے بہت دیر سے ہوا تھا۔" اس نے تلخی سے سر جھٹکا۔ چہرے پہ مزید بدمزگی پھیلی تھی۔

"تم نے کہا تم نے اسے جان سے مارنے کی صرف کوشش کی۔" کوشش پہ زور دیا تو وائل نے چونک کے چہرہ اس کی طرف موڑا۔

"وہ کھائی میں خود گری تھی۔ لیکن وجہ میں تھا۔ میرا ارادہ صرف اسے ڈرانے کا

تھا۔ لیکن جب اس نے میری بات نہیں مانی تو میں نے اسے مرنے کے لیے وہیں چھوڑ دیا۔" ذوالقرنین کو اس کی آواز میں ذرا سی بھی ندامت محسوس نہ ہوئی۔

(متوقع بات تھی۔ کوئی بھی ہوتا تو وائل بِن آدم اسے مرنے کے لیے چھوڑ دیتا۔)

"لیکن پھر اسے بچانے واپس بھی گئے؟"

اس نے ناخوشی سے سر کو اثبات میں جنبش دی۔

"کیا اسے مرتا چھوڑ کر جانے پر پچھتاوا ہوا تھا؟"

"نہیں۔ لیکن اسے بچانے واپس جانے پر بہت ہو رہا ہے۔"

ذوالقرنین اس کی اس قدر صاف گوئی پہ چند لمحے کچھ بول نہ سکا۔

"پھر کیوں گئے تم واپس؟"

"میں.... میں بس اسے زندگی اور موت کے دوراہے پہ لٹکتا چھوڑ کر نہیں جا سکا۔" بے بس سی حالت میں اعتراف کیا۔

(غیر متوقع بات تھی۔ وہ ایسے ہی کسی کو بھی بچانے واپس نہیں جاتا۔)

"کیوں؟"

"میرے اختیار میں کچھ نہیں تھا۔ میں اپنی مرضی سے واپس نہیں گیا۔ کوئی مقناطیسی طاقت تھی جو مجھے کھینچ کے واپس لے کر گئی۔" اس نے الفاظ ٹٹولے۔" اس لمحے میرا جیسے خود پہ بس ہی نہیں رہا تھا۔"

(تو بات دل و دماغ پہ اختیار کے خسارے تک پہنچ چکی تھی۔)

"اب تم کیا چاہتے ہو؟"

"میں چاہتا ہوں وہ یہ شہر چھوڑ کے چلی جائے۔" چہرے کے تاثرات بتاتے تھے اس نے اس لڑکی کو ہر قیمت پہ قلبلار سے نکالنے کی ٹھان لی تھی۔

"اور اگر وہ نہ گئی تو؟"

"میں اس کے لیے ایسے حالات پیدا کر دوں گا کہ اسے مجبوراً جانا ہی پڑے گا۔"

"جو بھی کرو عفریت بس اس لڑکی کو کوئی جانی نقصان مت پہنچانا۔ کہیں ایسا نہ ہو اس کا قتل تمہارے ضمیر اور دل کو مہنگا پڑ جائے۔" لہجے میں نرم تنبیہ تھی۔

"ضمیر نہیں ہے میرا۔" اس نے طنزیہ انداز میں سر جھٹکا۔

www.novelsclubb.com

"دل تو ہے نا۔"

"ٹوٹا ہوا ہے۔ایک انسانی جان لینے کا احساس ندامت زیادہ دیر تک اپنے اندر نہیں رکھ سکے گا۔ویسے بھی قتل کا بھوج اٹھانا صرف ان کے لیے بھاری ہوتا ہے جن کے دلوں میں انسانیت ہو۔مجھے الحمدللہ ایسے کسی کیڑے نے نہیں کاٹا۔انسانی جان لینا میرے لیے بہت آسان ہے۔"

"اور جان اگر محبوب شخص کی ہو تو؟" وہ اسے کرید نہیں رہا تھا۔بہت سوچ سمجھ کے سوال کر رہا تھا۔

وائل نے تلملا کے اسے شعلہ باز نظروں سے دیکھا۔

"ایسے مت دیکھو مجھے۔تم نے مجھے اپنا مسئلہ بتایا اب تم میرا تجزیہ سنو۔تمہیں محبت ہو گئی ہے۔اور یہ محبت شاید تمہارے لیے اچھی ثابت ہو۔"

وائل کے ماتھے پہ بل پڑے۔اس نے تردید کے لیے ہونٹ کھولے۔

ذوالقرنین نے ہاتھ کے اشارے سے اسے خاموش کرا دیا۔

"فی الوقت تمہارا ذہن اس محبت کی تردید کر رہا ہے مگر عنقریب دل اسے قبول

کر لے گا۔اور اسے دیکھ کے یہ جو تمہیں غصہ آتا ہے نا یہ اس لیے آتا ہے کیونکہ آج سے پہلے کوئی تم پہ اس طرح سے اثر انداز نہیں ہوا جیسے یہ لڑکی ہو رہی ہے۔اور یہ جو تم کہہ رہے تھے نا کہ وہ تمہیں اچھی نہیں لگتی،ایسا صرف تم سوچتے ہو۔در حقیقت وہ تمہیں بہت اچھی لگتی ہے۔بس یہ سچائی اچھی نہیں لگ رہی کہ کوئی لڑکی اس طرح تمہیں اچھی بھی لگ سکتی ہے۔خصوصاً وہ۔"

ذوالقرنین کی بات سن کے پہلے اسے صدمہ لگا۔پھر اس کا دل چاہا وہ اونچا اونچا ہنسے۔اور ہنستے ہنستے اس جوان دکھنے والے بد دماغ بھوڑے کا سر پھاڑ دے۔

"میں پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ وہ ہر لحاظ میں تم سے بہتر ہو گی۔ تمہیں یقیناً اس کی خوبیاں پسند ہوں گی لیکن تم کبھی اعتراف نہیں کرو گے۔خوبیاں بھی وہ جو تمہارے اپنے اندر نہیں ہیں۔لاشعوری طور پہ تمہارا دماغ اس میں اپنی اس صورت کو تلاش کرتا ہے جو تم بننا چاہتے تھے مگر بن نہیں سکے۔دور اندر کہیں تم شاید اس سے حسد بھی کرتے ہو۔کیونکہ وہ ہر وہ چیز ہے جو تم نہیں بن سکے۔"

وہ روانی سے کہتا گیا۔وائل کے ماتھے کے بل گہرے ہوتے گئے۔

"وہ ایک اچھی انسان ہو گی۔ بااخلاق۔ باتہذیب۔ اللہ سے ڈرنے والی۔ سب سے محبت اور شفقت سے پیش آنے والی۔ دکھی دلوں کی ہمدرد۔ مشکلات میں دوسروں کی مدد کرنے والی۔ کسی دوسرے کا حق نہ چھیننے والی۔ مہربان۔ تمہاری طرح مطلبی اور خود غرض نہیں۔ اس میں ہر وہ خوبی ہو گی جو تم نے کبھی چاہا تھا کہ تم میں ہو۔ جو تم بننے چاہتے تھے وہ، وہ ہے۔" زور ہے پہ تھا۔

اس کا اندر کھول رہا تھا۔ رنگت سرخ پڑ چکی تھی۔ مگر وہ لب بھینچے اس بکواس کو سنتا گیا۔

"ایک وقت آئے گا جب اسے دیکھ کر تم خود کو بدلنے کی کوشش بھی کرنے لگو گے۔ اس کی خاطر اپنے اندر کی برائیوں سے لڑو گے۔ اپنے اس روپ کو نکھارو گے جیسا بننے کی تم نے کبھی تمنا کی تھی۔" وہ اسی سنجیدگی بھری روانی سے بولتا گیا۔

وائل بگڑے تاثرات لیے اسے بے یقینی سے گھورتا رہا۔ اسے جوان نظر آنے والے اس عمر رسیدہ شخص کے دماغ پہ رشک ہوا۔ وہ دوائیوں کے بیچ اپنی زندگی ضائع کرنے کے بجائے کوئی افسانوی کہانی کیوں نہیں لکھتا؟

"میں یہ نہیں کہہ رہا کہ وہ تمہیں بدلے گی۔ کیونکہ ایسا کبھی نہیں ہوتا۔انسان انسانوں کو نہیں بدل سکتے۔ یہ کوشش انفرادی ہوتی ہے۔ سب کو خود کرنی پڑتی ہے۔ لیکن کسی اچھے انسان کو دیکھ کے خود کو بدلنا ایک مختلف عمل ہے جو کہ کوئی غلط بات نہیں ہے۔ ہر انسان کے پاس خود کو بدلنے کی گنجائش ہونی چاہیے۔اس کے اندر اللہ کا قرب حاصل کرنے کی خواہش ہونی چاہیے۔اور تم وائل بِن آدم (اس نے انگشت شہادت سے اس کے سینے پہ دستک دی) تم اس لڑکی کی اچھائیاں دیکھ کر خود کو ضرور بدلو گے۔ تبدیلی اپنے اور اللہ کے لیے ہو گی، لیکن سبب اور ذریعہ وہ بنے گی۔"

وہ خاموش ہو گیا تو وائل بھنویں سکیڑ کے چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔

"اگر تم بھول گئے ہو تو یاد دلا دوں، تم ماہر ادویات ہو۔ماہر نفسیات بننے کی کوشش مت کرو۔" کانٹوں سے مزین لہجے میں کہا تو ذوالقرنین دل کھول کے مسکرا دیا۔

"میں نے کوئی لطیفہ نہیں سنایا۔البتہ تم پچھلی کچھ دیر سے لطیفے پہ لطیفہ سنائے جا

رہے تھے۔اسی لگن اور رفتار سے لطیفے سناتے رہے تو طبیب خانے کی جگہ سرکس میں زیادہ پیسہ کماؤ گے۔" وہ خاصا بے زار تھا۔

ذوالقرنین نے آگے بڑھ کے اس کے کندھے پہ تھپکی دی۔

"جتنی تمہاری عمر ہے اس سے دگنا میرا تجربہ ہے۔جتنا جھٹلانا ہے جھٹلالو، قبولیت کی گھڑی جلد آئے گی۔"

وائل نے اس کا ہاتھ جھٹکا۔

"ایسا....کچھ....نہیں....ہو....گا۔" ذوالقرنین سے زیادہ جیسے اس نے خود کو تسلی دی۔

"تمہارے جھٹلانے سے حقیقت نہیں بدل جائے گی۔"

وائل نے آنکھیں گمائیں۔

"اب آگئے ہو تو اپنا خون دیتے جاؤ۔" ذوالقرنین نے دونوں ہاتھ گھٹنوں پہ رکھے اور اٹھ کھڑا ہوا۔

"میں نہیں دے سکتا۔"

وہ جاتے جاتے واپس گھوما۔آنکھوں میں سوالیہ تاثر ابھرا۔

"ان چند ہفتوں میں میرا بہت خون بہا ہے۔رہا سہا یہاں دے گیا تو خود خون کی قلت سے مر جاؤں گا۔"

"میں پوچھنے ہی والا تھا سر پہ کیا ہوا ہے۔"وہ قریب آیا اور اس کی سر کی پٹی کو جانچنے پرکھنے لگا۔

"وہی معمول کی لڑائیاں۔"وائل کے کندھے ڈھلکے۔

"اپنا خیال رکھا کرو۔تم بہت نایاب ہو۔"

وہ طنز سے سر جھٹک کے کھوکھلا سا ہنسا۔"میں نایاب نہیں ہوں۔میرا خون نایاب ہے(داہنی کلائی سامنے کی)بلکہ نایاب ترین ہے۔"

"ایک ہی بات ہے۔"

"نہیں ایک ہی بات نہیں ہے۔"تلخ انداز میں نفی کی۔"میرے خون میں طبّی بحالی کے عناصر موجود نہ ہوتے تو تم میری طرف دیکھتے بھی نہیں۔"

"مجھے مطلبی کہہ رہے ہو؟"وہ سادگی سے مسکرایا۔

www.novelsclubb.com

"کیونکہ تم مطلبی ہو۔"ہو پہ زور لگایا۔وہ ذرا برابر محفوظ نہیں ہو رہا تھا۔

"تمہارے خون نے بہت سے لوگوں کو موت کے منہ سے واپس کھینچا ہے۔میں نے اپنا تو کچھ نہیں سنوارا۔"

"آخرت تو بنا رہے ہو نا اپنی۔"اس کے لہجے میں موجود کاٹ برقرار رہی۔

"اس کا ثواب تمہیں بھی جاتا ہو گا۔"بھوری آنکھوں کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔

"اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔اور میں نے کبھی بھی کسی کی جان بچانے کی نیت سے اپنا خون نہیں دیا۔"

ذوالقرنین دونوں ہاتھ سینے پہ باندھے عین اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

"پھر کیوں دیتے ہو؟"تکان سے پوچھا۔

"کیونکہ ایک محدود مقدار سے کثیر خون میرے لیے نقصان دہ ثابت ہو سکتا ہے۔"جواب کھٹاک سے آیا تھا۔

"تو تم اپنی کلائی کاٹ کے اسے ضائع بھی تو کر سکتے ہو۔ہر دو ہفتے بعد مجھے کیوں دینے آتے ہو؟"

اس مرتبہ وہ چند لمحوں کے لیے لاجواب ہوا۔

"میرا خون ضائع ہو جانے کے لیے بہت قیمتی ہے۔ ویسے بھی میرے خون کے بدلے جو رقم تم مجھے دیتے ہو، اس سے منہ پھیرنا اعلیٰ درجے کی کم عقلی ہے۔ اور میں بہت عقل والا ہوں۔"

ذوالقرنین کے لبوں پہ خوشگوار سی مسکراہٹ ابھری۔ "تم صرف لالچی ہو، وائل بِن آدم۔"

وائل نے عجیب نظروں سے اسے گھورا۔ پھر اٹھ کے دروازے کی جانب بڑھ گیا۔ کچھ یاد آنے پہ واپس پلٹا۔

"تم طبیب ہو کر وقت کی قدر نہیں کرتے۔ میں اس دن کتب خانے میں تمہارا انتظار کرتا رہا اور تم نہیں آئے۔"

"انتظار؟ اور تم؟ او نہوں۔" سر دائیں بائیں گمایا۔ "دو متضاد چیزیں ہیں۔ عموماً میں مصروفیت کی وجہ سے ایک منٹ کی بھی دیر کرتا ہوں تو تم مجھ سے ملے بغیر ہی چلے جاتے ہو۔ اس زور انتظار کیا ہو گا تو یقیناً اپنے کسی مطلب سے۔ کیا کام تھا مجھ

سے؟"

"پوچھنا تھا کہ میں نیند کی گولیاں کھا سکتا ہوں؟ کوئی گڑبڑ تو نہیں ہو گی؟"

"تمہیں سونے میں مسائل پیش آ رہے ہیں؟" وہ فکر مند ہوا۔ "کوئی خاص وجہ؟"

"خدارا نفسیات کا درس پھر مت شروع کر دینا۔" اتنی زور سے دونوں ہاتھ جوڑے کہ تالی کی آواز گونجی۔

"ویسے کوئی مسئلہ ہونا تو نہیں چاہیے۔ لیکن پھر بھی میں صبح تک تمہارے خون پہ نیند کی گولیوں کی عملی تحقیق کر کے واضح طور بتا دوں گا۔"

وائل نے سمجھ کے سر ہلایا۔ رُخ دروازے کی جانب موڑ لیا۔

"آج رات کا کھانا میرے ساتھ کھانا۔"

اس کا ہاتھ دروازے کے ہتھ پہ تھا جب ذوالقرنین نے پیچھے سے اونچی آواز لگائی تھی۔

وائل نے پچھلے سات برسوں میں اگر کسی کے ساتھ دستر خوان پہ بیٹھ کے کوئی

نوالہ حلق سے نیچے اتارا تھا تو وہ صرف ذوالقرنین تھا۔ ورنہ وہ اکیلے کھانے کا عادی تھا۔

"اور سو بھی یہیں جانا۔ شاید حلال کی کمائی سے بنا کھانا کھانے کے بعد تمہیں نیند آ ہی جائے۔ صبح تحقیق کا نتیجہ سن کے بے شک چلے جانا، تاجر سبحان۔" آخری دو الفاظ کچھ زیادہ ہی اونچی آواز میں ادا کیے گئے تھے۔ باہر کام کرتے ملازمین میں سے بہرے والے ملازم نے بھی یقیناً سنے ہوں گے۔

"اور میں درخواست نہیں کر رہا۔ حکم دے رہا ہوں۔"

وائل دروازہ کھول کے دواخانے سے باہر نکل گیا۔

ذوالقرنین نے ٹھیک کہا تھا۔ حلال کی کمائی سے بنا کھانا کھانے کے بعد اسے واقعی نیند آ گئی تھی۔ مگر کہیں رات کے آخری پہر۔

اگلی صبح اس کی آنکھ کھلی تو اسے ذوالقرنین کی باتیں پھر سے یاد آئیں۔ اس نے انہیں اپنے ذہن سے جھٹکا۔ ہاتھ منہ دھو کے کمرے سے باہر نکلا تو گھونگے ملازم سے اس کے بارے میں استفسار کیا۔ اس نے اشاروں سے بتایا کہ وہ کچھ دیر پہلے طبیب

خانے کے لیے نکل چکا ہے۔

دراصل ذوالقرنین کے تینوں ملازم ہی کسی نہ کسی حس سے محروم تھے۔بینائی۔ سماعت۔اور بولنے کی صلاحیت۔

"مجھ سے بات کیے بغیر ہی چلا گیا۔" وہ بڑبڑا کے رہ گیا۔

میز سے پانی کا جگ اٹھایا اور گلاس بھرنے لگا۔

نابینا ملازم اس کے قریب آیا۔ایک لفافہ ،ایک شیشی اسے پکڑائی۔

اس نے انہیں میز پہ رکھا اور پانی پینے لگا۔

"ذوالقرنین صاحب نے کہا تھا خاکی لفافے میں نیند کی گولیاں ہیں۔" وہ اپنی مخصوص میٹھی آواز میں بتانے لگا۔

وائل میز سے ٹیک لگائے پانی پینے میں مصروف تھا۔

"اور شیشی میں موجود مائع کی دو بوندیں صبح شام باقاعدگی سے پانی میں گھول کے پیئیں گے تو امیرہ کے لیے آپ کی محبت میں کمی آجائے گی۔"

پانی اس کے حلق میں پھنس گیا۔اسے شدید کھانسی کا دورا پڑا۔منہ سے چند

www.novelsclubb.com

چھینٹے نکل کے فرش پہ گرے۔

"سبحان صاحب آپ ٹھیک ہیں؟" ملازم فکر مندی سے گویا ہوا۔

"میں.... میں ٹھیک ہوں۔" اس نے منہ صاف کر کے گلاس میز پہ پٹخا۔اور ملازم کو برخاست کیا۔

نادان ملازم۔ذوالقرنین صاحب نے جو بکواس کی،اس نے اپنے مالک کا حکم بجھا لانے کے لیے اسے انہی الفاظ میں وائل کے آگے رکھ دیا۔

اس نے تکان بھرا سانس لیا۔لفافہ اٹھا کے دیکھا۔اس پہ ذوالقرنین کی خوبصورت لکھائی میں تین الفاظ لکھے تھا۔

"نیند کے لیے۔"

اس نے شیشی اٹھائی۔اس پہ سفید رنگ کی ایک چٹ چسپاں تھی۔"دھڑکن کی رفتار کم کرنے کے لیے۔"

اس نے شیشی گھما کے دوسری طرف سے دیکھی۔

"امیرہ سے محبت میں کمی کے لیے۔"

www.novelsclubb.com

اس نے ہاتھ گردن کی پشت پہ پھیرا۔اس لمحے اس کا دل چاہا تھا شیشی کو دیوار سے دے مارے۔ مگر اسے احتیاط سے لفافے کے ساتھ کوٹ کی اندرونی جیب میں رکھنے کے بعد وہ پیر پٹختا دروازے سے باہر نکل گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

قلبلار۔

دوپہر ڈھلی تو قلبلار کے خوبصورت آسمان پہ سیاہ بادلوں نے بصیرہ کر لیا۔سہ پہر کی خوشگوار، ٹھنڈی ہوائیں فضا میں گردش کرنے لگیں۔زین نہران روانگی سے پہلے صدر بازار سے خریداری کرنے میں مصروف تھا جب کوئی پیچھے سے آ کے اس سے ٹکرایا۔

www.novelsclubb.com

"کیا مصیبت ہے؟" وہ بگڑے تاثرات کے ساتھ پلٹا۔

"خدارا میری مدد کر دیں....ایک لڑکا میرا پیچھا کر رہا ہے۔وہ....مجھے نقصان پہچانا چاہتا ہے۔" انیس بیس سالہ وہ لڑکی اتھلی سانسوں کے درمیان بمشکل بول پائی۔زین نے بغور اس کا چہرہ دیکھا۔نیم بھوری آنکھوں میں خوف کے تاثر نظر

آتے تھے۔

چند لمحوں بعد اس نے ایک سیاہ گھنگریالے بالوں والے لڑکے کو اپنے سامنے کھڑا پایا۔ وہ آگے بڑھا تو لڑکی فوراً زین کے پیچھے ہو لی۔

"مجھے اس سے بہت ڈر لگ رہا ہے۔ خدارا مجھے اس کے تنہا چھوڑ کر مت جانا۔" اس نے زین کا بازو پکڑ کے ڈری سہمی آواز میں منت کی۔

"کون ہو تم؟ اور کیوں کر رہے ہو اس کا پیچھا؟" اس کی توجہ سیاہ آنکھوں والے لڑکے کی طرف مبذول ہوئی۔

"یہ ہمارا ذاتی مسئلہ ہے۔ تم بیچ میں دخل اندازی مت کرو۔" وہ تنبیہ سے بھرپور انداز میں کہتا آگے بڑھا تو زین نے اس کے سینے پہ ہاتھ رکھ کے اسے پیچھے دھکیلا۔

پھر وہ لڑکی کی طرف مڑا۔ "تم جانتی ہو اسے؟"

اس کی گردن نفی میں ہلی۔

"میں تمہیں بتا رہا ہوں...." وہ طیش سے کہتا دوبارہ آگے بڑھا۔

زین نے ایک جھٹکے سے اپنے بیلٹ سے لٹکتی میان میں سے خنجر نکالا اور اسے

گریبان سے دبوچ کے تیز دھار خنجر اس کی گردن پہ رکھا۔

اس کی آنکھوں میں خوف کی لہریں دوڑ گئیں۔اس کا سانس وہیں کا وہیں رک گیا۔

خریدار خریداری اور خوانچہ فروش فروشی چھوڑ کے ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"اب تم میری بات دھیان سے سنو۔"اس نے خنجر کا دباؤ ذرا بڑھایا اور سنجیدہ آواز میں کہنا شروع کیا۔"تم یہاں سے پلٹو گے اور واپس اس طرف دیکھنے کی حماقت نہیں کرو گے۔یہاں سے جانے کے بعد دوبارہ...."اس نے رک کے پیچھے کھڑی لڑکی کو دیکھا۔

وہ دو لمحے اسے دیکھتی رہی پھر جھٹ سے بولی۔"حریم۔"

"حریم کا پیچھا کر کے اسے پریشان کبھی نہیں کرو گے۔یہ تک بھول جاؤ گے کہ وہ کوئی وجود بھی رکھتی ہے۔سمجھے؟"

لڑکے نے خشک ہونٹ تر کیے۔لیکن بولا پھر بھی کچھ نہیں۔یا شاید خوف کے مارے بول نہیں پایا۔محض گردن اثبات میں ہلائی۔

زین نے ایک جھٹکے سے اس کا گریبان چھوڑا۔اس نے ایک تیز نظر زین کے پیچھے کھڑی حریم پہ ڈالی اور پھر لمبے لمبے ڈگ بھرتا پیچھے کی طرف پلٹ گیا۔

"تم ٹھیک ہو؟" وہ حریم کی طرف مڑ کے اپنائیت سے بولا۔

"تمہارا بہت بہت شکریہ۔تم نہیں جانتے تم نے میری کتنی مدد کی ہے۔" وہ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی تھی۔

"صحت میں اچھی خاصی نظر آتی ہو۔ایسے لچے لفنگوں سے نمٹنے کے لیے کوئی دفاعی تدبیر سیکھ لو۔کیونکہ تمہارے قلبلار کے لوگ صرف اچھے تماشائی ہیں۔کسی لاچار کی مدد کرنا ان پہ حرام ہے۔"

"تم مجھے موٹا کہہ رہے ہو؟" اس نے ناک چڑھائی۔

"میرے الفاظ کو غلط رنگ دینا بند کرو اور دھیان سے اپنے گھر جاؤ۔" زین نے اس کے سر پہ ہلکی سی تھپکی ماری۔

"ایک بار پھر.... مدد کے لیے شکریہ۔" اس نے عاجزانہ انداز میں کہا تو زین نے سر کو خم دیا۔

"کتنے ہوئے؟" وہ چلی گئی تو زین کا رخ ٹھیلے کے اس پار کھڑے دکاندار کی جانب ہوا۔

دکاندار نے رقم بتائی تو اس نے کوٹ کی جیب میں ہاتھ مارا۔ اگلے لمحے وہ ٹھٹھکا۔ اس کا بٹوا غائب تھا۔

چند لمحے لگے تھے اسے سمجھنے میں۔

"لعنت ہو۔" وہ زیر لب بڑبڑایا۔

لیکن ایسے ہی ان چوروں کو تو وہ نہیں چھوڑے گا۔ اس نے اس پتلی گلی کی جانب دوڑ لگائی جس کی طرف وہ چور لڑکی حریم غائب ہوئی تھی۔ گلی کے کونے پہ موڑ مڑتے ہوئے وہ بری طرح کسی سے ٹکرایا تھا۔

www.novelsclubb.com

ٹکرانے والی لڑکی تھی جو پوری قوت سے ایک طرف کو گر گئی تھی۔ جبکہ زین گلی کی دوسری جانب منہ کے بل گرا تھا۔ وہ اٹھ کے بیٹھا اور سامنے والی دیوار کے ساتھ بیٹھی لڑکی کو دیکھا جو اپنی کلائی اوپر کیے اسے غور سے دیکھ رہی تھی۔ شاید جانچ رہی تھی۔

زین کی نظریں اس کے چہرے تک گئیں۔ایک لمحہ لگا تھا اسے اس چہرے کو پہچاننے میں۔اور پھر وہ تیزی سے اٹھ کے اس کی طرف لپکا تھا۔

"علینہ تم ٹھیک ہو؟" فکر مندی سے اس کے سامنے بیٹھا۔

اس نے سر اٹھا کے دیکھا۔پھر گردن دھیرے سے اثبات میں ہلائی۔

"تمہاری کلائی سے تو خون نکل رہا ہے۔" علینہ نے اس کے ہاتھ پہ بہتا خون دیکھ کے اس کا بازو فوراً اپنے ہاتھوں میں لیا۔آنکھوں میں فکر مندی عیاں ہوئی۔وہ فکر مند ہوئی تھی؟زین کے لیے؟

اس کی دھڑکن ایک لمحے کے لیے رکی تھی۔

وہ اب اس کے کوٹ کا بازو اوپر کر کے اس کی چوٹ کا معائنہ کر رہی تھی۔

"پٹی کرنی پڑے گی۔" وہ ساری توجہ اس کی چوٹ کی طرف مرکوز کیے ہوئے تھی۔اور زین کی نظریں اس کے چہرے پہ جمی تھیں۔

وہی نایاب رنگ آنکھیں۔گالوں پہ ہلکا سا گلابی تاثر۔بار بار چہرے پہ گرتیں سنہری مائل بھوری لٹیں۔آنکھوں میں ویرانی۔اور اس دنیا فانی سے لاتعلقی۔وہ

کتنی پیاری تھی۔ بالکل اپسرائوں جیسی۔

علینہ نے اپنے تھیلے میں سے سفید پٹی کے ساتھ چند ادویات نکالیں جنہیں اس نے باری باری زین کے زخم پہ لگایا۔

پھر پٹی کھول کے اس کی کلائی پہ لپیٹنے لگی۔

"کوشش کرنا کچھ دنوں تک بازو گیلا مت کرو۔" اس نے پٹی کی گرہ باندھتے ہوئے فکر اور تحکم کے ملے جلے تاثرات میں کہا۔ "ویسے یوں دیوانہ وار بھاگتے ہوئے آج بھی کسی کو خودکشی کرنے سے روکنے جا رہے تھے؟"

وہ طنز بھی کرتی تھی؟

وہ آنکھوں میں حیرانی لیے بے مقصد اس کے چہرے کو دیکھے گیا۔

"کیا سوچ رہے ہو؟" وہ الجھ کے بولی۔

"یہی کہ میں تمہیں یاد ہوں۔" وہ قدرے جتانے والے انداز میں بولا تھا۔

"اگر تمہارا اشارہ اس دن غزال میں تمہیں نظر انداز کرنے کی طرف ہے تو میں انتہائی مصروف تھی۔" اس نے دھیرے سے کندھے اچکائے۔ آواز بے تاثر تھی۔

زین چند پل اپنی کلائی پہ ہوئی مرہم پٹی کو دیکھتا رہا۔ آنکھوں میں اداسی سی چھلکی۔ مگر ہونٹ تشکر سے مسکرائے۔

"میرے زخم پہ مرہم رکھنے کے لیے شکریہ۔"

"میں ماہر ادویات ہوں۔ یہ میرا روز کا کام ہے۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

زین بھی اس کے ساتھ اٹھا۔ زمین پہ پڑا اس کا تھیلا اٹھا کے اسے تھمایا۔

"ایسی کون سی قیامت آگئی تھی جو تم اندھا دھن بھاگ رہے تھے؟" اس نے خفگی سے پوچھا۔

"دو چور مجھے بیوقوف بنا کے میرا بٹوا چوری کر کے لے گئے۔" زین کا حلق کڑوا ہوا۔ "تھوڑی دیر بعد میں نے بندرگاہ سے نہر ان روانہ ہونے والا جہاز پکڑنا تھا۔ اب پیسوں کے لیے محل واپس جاؤں گا تو جہاز چھوٹ جائے گا۔ نہیں جاؤں گا تو بندرگاہ تک جانے کے لیے گھوڑا گاری کا کرایا نہیں دے سکوں گا۔" اس نے بے بسی سے سر جھٹکا۔

علینہ نے تھیلے میں سے چند پیسے نکال کے اس کی جانب بڑھائے۔

"میں نے اس لیے تو تمہیں نہیں بتایا۔" زین نے شکوہ کن نظروں سے اسے دیکھا۔

"رکھ لو۔ کسی اجنبی سے مانگنے سے بہتر ہے مجھ سے لے لو۔"

زید کہتا تھا کسی اجنبی سے آشنا ہونے کے لیے صرف تین ملاقاتیں کافی ہوتی ہیں۔ یعنی آج سے وہ دونوں ناآشنا نہیں رہے تھے۔

"اگر ہم دونوں کبھی دوبارہ ملے تو تم یہ رقم مجھے واپس کر دینا۔" وہ زین کو بہتر محسوس کرانے کے لیے مروتاً بولی۔

"اور اگر نہ ملے تو؟"

"تو کسی ضرورت مند کی مدد کر کے میرے اس احسان کا بدلہ چکا دینا۔" کندھے اچکا کے بولی۔

اس کا دل بھی کتنا پیارا تھا۔

اس نے محسوس کیا وہ رک کے اس کے چہرہ کو دیکھ رہی ہے۔ قدرے غور سے۔ آنکھوں میں حیرت عیاں تھی۔

"تمہاری آنکھیں تو...."

"رنگ بدلتی ہیں۔"اس نے مسکرا کے اس کی بات مکمل کی۔علینہ بس سنجیدہ چہرے پہ حیرانی لیے اسے دیکھتی رہی۔"میری آنکھوں کا قدرتی رنگ نیلا ہے۔ لیکن میرے کپڑوں کی رنگت کے لحاظ سے یہ رنگ بدل بھی جاتا ہے۔جیسے میں نے آج سرمئی کپڑے پہنے ہیں تو آنکھوں کا رنگ ذرا سبز ہو گیا ہے۔"

اس کی بات سننے کے بعد علینہ نے رُخ بڑی گلی کی جانب کر لیا۔

تھوڑی دیر بعد زین نے چھت والی ایک گھوڑا گاڑی روکی۔

علینہ کا طبیب خانہ راستے میں پڑتا تھا تو وہ اس کے ساتھ تھی۔

"سنو۔"سوار ہونے سے پہلے اس نے اسے پکارا جواب آگے بڑھ گئی تھی۔"اپنا نام تو بتاتی جاؤ؟"

وہ اس کی طرف مڑی۔"علینہ بنتِ عامر۔"

وہ اس کا نام جانتا تھا۔پھر بھی اس کی زبان سے سننا چاہتا تھا۔

"میں زین بِن ظفر۔"

اس نے اپنا نام بتایا لیکن اس سے پہلے وہ آگے بڑھ چکی تھی۔

وہ پھیکا سا مسکرایا۔اور گھوڑا گاڑی میں سوار ہو گیا۔علینہ کو وہ ابھی تک عقب سے جاتے ہوئے دیکھ سکتا تھا۔

گاڑی کے آگے بندھے گھوڑے مخالف سمت میں آگے بڑھنے لگا۔اور وہ نظروں سے دور ہٹنے لگی۔

دفعتاً سیاہ بادلوں سے بھرا ہوا آسمان تھرتھرایا اور پھر تیز بوندا باندی نے قلبلار کی فضا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

مخالف سمت میں جاتی علینہ بارش کی بوندوں کے درمیان کہیں کھو گئی۔

اس بات کا خیال کیے بغیر کہ اسے بارش نہیں پسند،زین نے ہاتھ باہر نکال کے ٹھنڈے قطروں کو جلد پہ محسوس کرنا چاہا۔کتنی عجیب بات تھی نا وہ دونوں جب بھی ملتے تھے قلبلار کے آسمان سے بارش برستی تھی۔

بندرگاہ کی جانب رواں زین بِن ظفر کی گھوڑا گاڑی سے دو گلیاں دور آؤ تو حرم اور حریم ایک مقامی قہوے خانے کے برآمدے میں بیٹھے زین کے بٹوے سے نکلنے

والے پیسے گن کے آپس میں برابر بانٹ رہے تھے۔

"اُف بہت ہی کوئی کنجوس ہے یہ۔" حریم نے برا منہ بنایا تھا۔ بٹوے میں سے اندازے سے بہت کم رقم نکلی تھی۔

"تمہیں کم مال نکلنے کی پڑی ہے؟ سوچو اگر وہ سیٹھ کی طرح کوئی سر پھرا ہوتا اور واقعی میری گردن کاٹ دیتا تو کیا ہوتا؟" حرم نے گردن پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے شکر کا سانس لیا۔

"کیا ہوتا؟ تم اللہ کو پیارے ہو جاتے اور کیا ہوتا۔" حریم نے جھرجھری لی۔

حرم نے افسوس سے اسے دیکھا۔ "کیا ضرورت تھی اس بیچارے کو لوٹنے کی۔ شکل اور کرم سے بھلا معلوم ہوتا تھا۔ تم نے دیکھا تھا کیسے فوراً تمہاری مدد کرنے کو تیار ہو گیا تھا۔"

"بھلا؟" وہ متحیر تاثرات چہرے پہ سجائے تقریباً چلائی تھی۔ "اس نے کچھ دن پہلے غزال میں میرے برتن توڑے تھے اور پھر نقصان کی بھرپائی کیے بغیر ہی چلا گیا۔ یہ پیسے ہم نے چوری نہیں کیے۔ اپنا حق واپس لیا ہے۔"

"اس نے جان بوجھ کے کچھ نہیں کیا تھا حریم۔علینہ سے ٹکر ہوئی تھی اس کی۔"

"تو آنکھوں کی جگہ بٹن لگا کے گھوم رہا تھا کیا؟"اس نے خفگی سے سر جھٹکا۔

حرم نے گہرا سانس لیا۔"جو بھی ہے مجھے اب افسوس ہو رہا ہے۔میرا ضمیر مجھے ملامت کر رہا ہے۔"

"یہ تم امیرہ کی زبان کچھ زیادہ ہی نہیں بولنے لگے۔"مشکوک نظروں سے دیکھتے ہوئے چند نوٹ حرم کی جانب بڑھائے۔

"حریم یہ سراسر وعدہ خلافی ہے۔"نوٹ گننے کے بعد وہ دبی سی آواز میں چلایا۔

"پچاس پچاس پہ اتفاق ہوا تھا۔"اسے آنکھیں دکھاتے ہوئے چبا چبا کے بولا۔

"پندرہ فیصد تمہاری بری اداکاری کے کاٹے ہیں میں نے۔اس لیے پینسٹھ فیصد مال میرا اور پینتیس فیصد تمہارا۔"وہ گردن تان کے حتمی انداز میں بولی۔

وہ بے بسی سے لب بھینچے اسے دیکھتا رہ گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

قلبلار۔

اگلے دن کی صبح قدرے باسی ہو گئی تو ثمرات میں معمول کی رونق لگ گئی۔ قریباً پندرہ برس پہلے ثمرات نام کے اس مدرسے کی بنیاد اسلام بن احمد نے رکھی تھی۔ قلبلار آنے کے چند دن بعد امیرہ نے یوں ہی فارغ وقت گزارنے کے لیے مدرسے آنا شروع کر دیا۔ اسلام صاحب نے اساتذہ کی قلت کے باعث اس سے بچوں کو پڑھانے کی درخواست کی تو اس نے فوراً حامی بھر لی تھی۔ تب سے وہ ہر روز دن کا کثیر حصہ ان بچوں کے ساتھ گزار دیتی۔ اس کی جماعت میں تمام طلبہ کی عمریں دس برس سے کم کی تھیں۔ معصوم چہرے۔ شرارتی آنکھیں۔ وہ سب اپنی زندگی کے بہترین دن گزار رہے تھے۔ زندگی کی مشکلات اور مصیبتوں سے بے خبر۔ بے شک لاعلمی ہزار نعمت ہے۔

www.novelsclubb.com

وہ اپنے شاگردوں کی کتابیں سلیقے سے سیٹ کر کے رکھ رہی تھی جب ایک سات سالہ بچہ اس کے میز تک آیا۔ اس نے دونوں ہاتھ پیچھے باندھ رکھے تھے۔ یا شاید وہ اپنے پیچھے کچھ چھپا رہا تھا۔

امیرہ نے توجہ اس کی جانب مرکوز کی۔

"جی؟"

وہ ذرا جھجکا۔دونوں ہاتھ آگے کر کے اسے ایک پیلے رنگ کا گلاب پیش کیا۔

وہ کھلے دل سے مسکرائی۔اس کے شاگرد اسے اکثر پھول دیتے رہتے تھے۔وہ کہتے تھے وہ ان کی پسندیدہ استاد ہے کیونکہ وہ ان پہ غصہ نہیں ہوتی۔

"شکریہ، حسن۔" دھیرے سے گلاب کی ڈنڈی تھامی۔اس کے گلابی، ملائم گال نرمی سے چھوے۔

"دیکھیں اس کا رنگ بالکل آپ کی آنکھوں جیسا ہے۔" وہ گرم جوشی سے بتانے لگا۔"آپ کی آنکھیں بہت پیاری ہیں، امیرہ آپی۔"

"اور تمہارا تو نام ہی حسن ہے۔" اس کے گال سرخ ہوئے۔وہ شرمایا۔امیرہ کو دل ہی دل ہنسی آئی۔

"یہ بہت پیارا ہے۔بالکل تمہاری طرح۔"

مسکراتے ہوئے شفقت سے اس کے گھنگریالے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔

دفعتاً دروازے پہ دستک ہوئی اور پھر چپراسی اندر داخل ہوا۔

"امیرہ بی بی آپ کے لیے کوئی یہ دے کر گیا ہے۔"اس نے ایک لکڑی کی ٹوکری اس کے آگے رکھی جو اوپر سے ڈھکن سے بند کی گئی تھی۔اس پہ جگہ جگہ سورج مکھی کے پھول پیوست تھے۔

امیرہ اپنی جگہ ساکت رہ گئی۔اس کا تعاقب کار اب مدرسے تک بھی پہنچ گیا؟

"کون دے کر گیا ہے؟"اس نے قدرے الجھن سے چپراسی کو دیکھا۔

"آپ کا منگیتر۔"

امیرہ کو دھچکا لگا۔

"منگیتر؟"لب بے یقینی سے ہلے۔

"جی۔"چپراسی تابعداری سے اثبات میں سر ہلاتا واپس پلٹ گیا۔

وہ بے یقینی سے اس ٹوکری کو دیکھتی رہی۔

"یہ پھول تو بالکل آپ کی آنکھوں جیسے ہیں،امیرہ آپی۔"حسن نے ٹوکری پہ لگے چند پھولوں پہ ہاتھ پھیرا۔"دیکھیں ان میں پیلا رنگ بھی ہے اور بھورا نقطہ بھی۔اس گلاب کا تو بس رنگ آپ کی آنکھوں جیسا تھا۔"وہ گلاب ہاتھوں میں لیے

مایوس زدہ سی آواز میں بولا۔

لیکن امیرہ اسے نہیں سن رہی تھی۔اس کی نظریں ٹوکری کے اوپر چسپاں سفید کاغذ پہ جمی تھیں۔یہ پہلی بار تھا جب ساتھ میں کوئی پیغام بھی بھیجا گیا تھا۔

آج جمعے کا دن تھا۔لیکن اس ہفتے کی ابتدا سے لے کر آج تک ہر صبح اسے سورج مکھی کے پھولوں گا ایک گلدستہ موصول ہوا تھا۔کسی بھی قسم کی پہچان، نام یا پتے کے بغیر۔کوئی ہر صبح پرانے اخبار میں لپٹا سورج مکھی کے پھولوں کا گلدستہ اس کے کمرے کی کھڑکی کے باہر رکھ جاتا تھا۔پہلے اس نے زیادہ غور و فکر نہیں کی۔لیکن جب یہ سلسلہ تین دن سے زیادہ تک چلا تو امیرہ کو پریشانی ہونے لگی تھی۔اس نے عاصم کو اس بارے میں بتایا تو اس نے یہ کہہ کر امیرہ کو تسلی دی کہ وہ اپنے تہت اس معاملے کی باریکی سے تحقیق کرے گا۔

امیرہ نے چٹ اتاری۔سرخ الفاظ میں لکھی تحریر آنکھوں میں سمائی۔

"میری پہلی اور آخری محبت.... جانِ تمنا کے لیے۔امیرہ بنتِ آدم کے لیے۔"

نیچے چھوٹا سا ع لکھا تھا۔

وہ یہ لکھائی پہچانتی تھی۔ مگر کس کی تھی؟اس نے آنکھیں بند کیں۔ذہن پہ زور ڈالا۔

"ع؟ع؟ع.... عاصم۔"ہونٹ بے آواز ہلے۔آنکھیں اشتعال سے کھلیں۔

یہ اسی کی لکھائی تھی۔امیرہ کی یادداشت اس معاملے میں مغالطہ نہیں کھا سکتی تھی۔

پہلے ناک گلابی ہوئی۔پھر چہرہ غصے سے دہکنے لگا۔

(اُف۔کیا بے شرم حرکت ہے یہ؟)اس نے ٹوکری کو ہاتھ مار کے پرے کھسکایا۔

اسے عاصم سے ایسی بے شرم.... غیر مناسب حرکت کی امید نہیں تھی۔وہ بھی اس کے والد کے اپنے ہی مدرسے میں۔اگر یہ کوئی گھٹیا مزاق تھا تو تف ہے۔ اور اگر نہیں تھا تو پھر لعنت ہے۔

"ع سے عشق۔"کوئی اس کے کان کے قریب آ کے چلایا تھا۔

امیرہ نے کاغذ فوراً مٹھی میں دبا لیا۔

"حور عین۔" اس کی آواز اونچی نہیں تھا مگر لہجہ برہم تھا۔

وہ حسن کی جڑواں بہن تھی۔وہ جتنا معصوم تھا وہ دو پونیوں والی چھوٹی لڑکی اتنی ہی شرارتی تھی۔اکثر میز کے نیچے چھپ جاتی تھی۔کان میں چلا کے اپنے منہ دھیان بیٹھے دوسرے بچوں کو ڈراتی تھی۔منہ میں ہر وقت کاغذ چبھاتی رہتی تھی۔ ہفتے میں کوئی ایک آدھ مرتبہ چاک بھی کھاتی۔اور کبھی کبھار تو اپنے ساتھی طلبہ کے ساتھ ہاتھا پائی اور لڑائی جھگڑے پہ بھی اتر آتی تھی۔لیکن وہ بلا کی ذہین بھی تھی۔پڑھنے لکھنے میں اپنی عمر کے باقی بچوں سے کئی درجے ہوشیار۔اتنی کہ ساتھ سال کی چھوٹی سی عمر میں بھی اسے اَن دیکھی تحریریں روانی سے پڑھنا آتی تھیں۔

"کہاں سے سیکھا تم نے یہ لفظ؟"امیرہ نے اسے دونوں ہاتھوں سے پکڑ کے اپنے سامنے کیا۔

"میں نے ایک کتاب میں پڑھا ہے۔"معصومیت سے کندھے اچکائے۔

"کون سی کتابیں پڑھتی رہتی ہو تم حور عین؟"امیرہ نے اس کے گلابی مائل ماتھے پہ ہلکی سی تھپکی لگائی۔

وہ اس کے کان کے قریب جھکی اور شرارت سے بولی۔"نایاب علم والی جو مدرسے میں نہیں پڑھائی جاتیں۔"

"بہت غلط بات ہے۔"امیرہ نے افسوس کیا۔"تمہارے والدین کو پتہ ہے؟"

اس نے امیرہ کا سوال جیسے سنا ہی نہیں۔

"بہت اچھی کتاب ہے، میرہ آپی۔"وہ اس کا پورا نام بلانے کی زحمت نہیں کرتی تھی۔ صرف میرہ بلایا کرتی تھی۔

"آپ ضرور پڑھنا۔ایک شہزادے کے مکمل عشق کی ادھوری داستان ہے۔"

امیرہ کا منہ کھل گیا۔"کیا نام ہے اس کتاب کا؟"

"مریضِ عشق شہزادہ۔"وہ چہک کے بولی۔

"اُف۔"وہ مزید ناراض ہوئی۔ جھنجلا کے اسے ایک کتاب تھمائی۔"اپنی کرسی پہ جا کے سبق کی دہرائی کرو۔"

"حسن گھر پہ فی الحال کچھ مت بتانا۔ میں پہلے دیکھوں گی کہ وہ کتاب کیسی ہے پھر تمہارے والدین سے خود بات کروں گی۔"اس نے نرمی سے بچے کو سمجھایا۔

وہ سر ہلا کے اپنی بہن کے ساتھ جا کر بیٹھ گیا۔امیرہ اٹھی اور کھڑکی بند کرنے کے لیے دوسری جانب بڑھی۔سامنے ایک خستہ حال عمارت نظر آئی۔وہ جل کے سیاہ اور کھنڈر ہو چکی تھی۔وہ چند پل کھڑی اسے دیکھتی رہی۔تکان سے۔ملال سے۔

کیا مدرسہ جلاتے ہوئے اس کا دل ایک بار بھی نہیں کانپا؟ایک بار بھی اس عمل کی سنجیدگی کا احساس نہیں ہوا؟

وہ احساسیت کی توقع کر بھی کس سے رہی تھی؟

سر جھٹک کے بچوں کی طرف متوجہ ہوئی۔

"چلو بچوں سب دروازے کے ساتھ قطار بناؤ۔"اس نے دونوں ہاتھوں سے تالی بجائی۔"تم سب کو نصیحت کرنے آج ایک متکلم آرہے ہیں۔ہمیں مجلسی ہال پہنچنا ہے۔"

چند منٹ بعد اس نے کمرے کا دروازہ بند کیا اور بچوں کی تعداد گنی۔ایک بچہ کم تھا۔اس کی جماعت میں بیس طلبہ تھے۔گنتی میں صرف انیس آئے تھے۔حالانکہ صبح حاضری لگاتے وقت بیس کے بیس کمرے میں موجود تھے۔

اس نے ایک تیز نظر پوری قطار پہ دوڑائی۔

"حور عین۔"اس نے بے بسی بھرا سانس لیا۔

کمرے کا دروازہ کھول کے اندر گئی۔اور اگلے لمحے اس کے پیروں سے زمین کھسک گئی۔

وہ میز کے اس پار کھڑی موٹے موٹے آنسوؤں سے رو رہی تھی۔بے آواز۔

سورج مکھی کے پھولوں والی ٹوکری میز کے وسط میں کھلی رکھی تھی۔

اور....

امیرہ نے بہت سارا تھوک حلق سے نیچے اتار۔

اور.... سیاہ رنگ کا ایک چمکدار ناگ بل کھا کے اس کے بازو سے لپٹا تھا۔حور عین نے اس کی گردن کس کے ہاتھ میں پکڑ رکھی تھی۔اور وہ اسے گردن کھڑی کیے گھور رہا تھا۔

"حسن۔"امیرہ نے دروازے کا سہارا لے کے اسے بلایا۔

وہ پاس آیا۔اپنی بہن کو اس حالت میں دیکھا۔پھر امیرہ کو۔

"عینا!" اس کے نام کی صدا لگاتے وہ اندر کو دوڑا تھا۔

امیرہ نے اسے کندے سے پکڑ کے پیچھے کیا۔

"نہیں حسن۔اندر نہیں جانا۔" خود کو مربوط رکھنے کی کوشش کی۔" جاؤ اساتذہ میں سے کسی کو بلا کے لاؤ۔میں یہیں ہوں۔حور عین کے ساتھ۔" اس نے دونوں کندھے تھام کے اسے تسلی دی۔

اس نے ایک مرتبہ پھر اپنی بہن کو دیکھا۔جس کے آنسوں زار و قطار آنکھوں سے ٹوٹ رہے تھے۔وہ بے دلی سے زینے کی طرف بھاگ گیا۔

امیرہ اندر آئی۔

"حور عین۔" نرمی سے اس کا نام لیا۔" کچھ نہیں ہو گا۔میں آگئی ہوں نا۔کچھ نہیں ہونے دوں گی تمہیں۔تم بس اپنی جگہ سے ہلنا مت۔"

"میرہ آپی یہ میرے ہاتھ سے پھسل رہا ہے۔" امیرہ کو دیکھ کر جیسے اس کا سارا حوصلہ جواب دے گیا تھا۔

وہ مزید آگے آئی۔اس سے ایک قدم کی دوری پر۔

دھیرے سے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔خاموش تسلی دی۔

"آیت الکرسی پڑھو حور عین۔جب تم آیت الکرسی ختم کرلو گی تو یہ تمہارے ہاتھ میں نہیں ہو گا۔" وہ اس کا سر سہلانے لگی۔

"وعدہ؟" وہ ٹپ ٹپ آنسوں برساتی موٹی آنکھوں میں امید لیے اسے دیکھ رہی تھی۔

"ہوں وعدہ۔"

"پکا والا نا؟"

اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

کسی اور کا انتظار کرنا بیکار تھا۔جو کرنا تھا امیرہ کو خود ہی کرنا تھا۔

اس سے پہلے وہ آگے بڑھتی کوئی افراتفری کے عالم میں اندر داخل ہوا تھا۔

وہ عین اس کے پیچھے آ کے رکا تھا۔امیرہ کو محض اس کی اتھلی اور تیز سانسوں کا ترنم سنائی دے رہا تھا۔

اگلے لمحے اس نے اپنے کندھے پہ اس کے ہاتھ کا لمس محسوس کیا اور وہ اپنی جگہ

منجمد رہ گئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

موجودہ دن....

قلبلار۔

غزال میں موجود تہہ خانے کا چراغ ہنوز جل رہا تھا۔دیوار میں لگے چھوٹے روشن دان کے اس پار سیاہی ہی سیاہی تھی۔قلبلار کا آسمان مکمل طور پہ رات کی اندھیری چادر کی لپٹ میں آچکا تھا۔

امیرہ طویل میز کی مرکزی کرسی پہ بیٹھی تھی،جو عموماً وائل کی نشست ہوتی تھی۔حرم اس کے ساتھ نوے کے زاویے پہ موجود دائیں جانب والی کرسی پہ بیٹھا تھا۔اس کی دونوں کہنیاں میز پہ ٹکیں تھیں۔اور خالی آنکھیں باہم ملے ہاتھوں پر، جنہیں وہ تھوڑی دیر قبل ہی دھو کر آیا تھا۔کیونکہ اس کے ہاتھ ہاشم کے خون سے رنگ چکے تھے۔

حرم کے مسلسل اصرار کرنے پہ حریم غصے میں انہیں سب کچھ بتانے کے بعد

تہہ خانے سے بھاگ گئی تھی۔ وہ دونوں اس کے پیچھے گئے تھے۔ جس کے بعد غزال میں جو تماشا لگا تھا وہ سب نے دیکھا تھا۔ حرم نے حریم کے باپ، ہاشم کے چہرے کو بہت بری طرح زخمی کیا تھا۔ امیرہ نے اس کی آنکھوں میں عجیب سا جنون دیکھا تھا۔ جیسے دہشت ہی دہشت ہو۔ وہ صرف غصہ نہیں تھا، برسوں کی نفرت تھی جسے اس نے آج باہر نکال پھینکا تھا۔

اور وائل.... اس نے پہلے بخوبی اس سارے تماشے سے لطف اٹھایا تھا۔ پھر امیرہ کی جی توڑ منتوں کے بعد جا کے حرم کو اس ادھیڑ عمر شخص کو پیٹ پیٹ کے جان سے مارنے سے روکا تھا۔ ورنہ آج شاید غزال سے ایک لاش اٹھتی۔

امیرہ ابھی تک یقین اور بے یقینی کی ڈور کے درمیان جھول رہی تھی۔ جس آخری چیز کی وہ توقع کر سکتی تھی وہ حرم کا کسی کو اس جارحانہ انداز میں پیٹنا تھا۔ یہ کام وائل کے کرنے والے تھے۔ حرم تو انتہائی نرم مزاج لڑکا تھا۔ سب کا خیال رکھنے والا، پُرسکون سی شخصیت کا حامل۔ سب سے پیار سے بات کرتا۔ دوسروں کی غلطیوں پہ معافیاں مانگتا پھرتا۔ وہ ایک سمجھ بوجھ رکھنے والا تمیز دار لڑکا تھا۔ مگر آج

جواس نے کیا،اس نے امیرہ کواس کے حوالے سے بری طرح الجھا کے رکھ دیا تھا۔

لیکن پھراس نے خود بھی تو کل صبح وائل کوانتہائی جذباتی ردِ عمل دیا تھا....

"امیرہ ہم دونوں کب تک یہاں بیٹھے رہیں گے ؟"اس نے نظریں اٹھا کے قدرے مضطرب انداز میں کہا۔

"اب تم پہلے سے بہتر لگ رہے ہو۔ ہمیں بات کرنی چاہیے۔"اس نے بغوراس کا چہرہ دیکھا۔

"کس بارے میں ؟"حرم نے سوالیہ ابرو اٹھائی۔

امیرہ اسے اس کے رویے پہ ندامت دلانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی تھی۔وہ جانتی تھی حرم سمجھدار ہے،جواس نے کیا اگر وہ غلط تھا تو اسے کچھ دنوں تک اپنی غلطی کا احساس خود ہی ہو جانا تھا۔

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی۔"تم ریم کو پسند کرتے ہو؟"

"میں ریم سے محبت کرتا ہوں۔"وہ لمحے کا بھی توقف کیے بغیر روانی سے بولا تھا۔

امیرہ کو اس سے ایسے ہی کسی جواب کی توقع تھی۔

"تم نے کبھی اسے بتایا ہے کہ تم اس سے محبت کرتے ہو؟" وہ سادگی سے پوچھنے لگی۔

"کیا مجھے بتانے کی ضرورت ہے امیرہ؟" سیاہ آنکھوں میں استفہامیہ تاثرات نمایاں ہوئے۔

اس کا سوال غلط نہیں تھا۔اس کی محبت اس کے محبوب کے علاوہ واقعی سب کو نظر آتی تھی۔

"لیکن پھر بھی ایک مرتبہ بول کر اسے بتانے میں کیا حرج ہے؟ اسے یہ بات تمہاری زبان سے جاننے کا پورا حق ہے، حرم۔" وہ نظریں ہنوز اس کے چہرے پہ ٹکائے سنجیدگی سے کہہ رہی تھی۔

"میں اس سے اپنے جذبات کا اظہار کرنا چاہتا ہوں...." وہ رکا۔گلے میں گلٹی ابھر کے مانند پڑی۔"لیکن مجھے اسے کھو دینے سے ڈر لگتا ہے۔"

"تم اسے کیوں کھوؤ گے حرم؟" امیرہ نے ناسمجھی سے پلکیں جھپکیں۔

"اگر اس نے یہ کہہ دیا کہ وہ مجھے صرف اچھا دوست سمجھتی ہے تو میں زندگی بھر اس سے نظریں نہیں ملا سکوں گا۔" اس کی آواز میں امید اور ناامیدی کا تاثر بیک وقت تھا۔ وہ جیسے خود اس کشمکش میں تھا کہ اسے بتائے یا نہیں۔

"وہ ایک الٹے دماغ کی عجلت پسند لڑکی ہے۔ ہمیشہ جلد بازی میں فیصلے کرتی ہے۔ مجھے ڈر لگتا ہے کہ کہیں اسی بات کو وجہ بنا کے وہ میرے ساتھ دوستی ہی نہ ختم کر دے۔" اس کی آنکھوں میں خوف اور سوگواریت کی رمق نمایاں ہوئی۔ "وہ میری زندگی میں موجود واحد اہم انسان ہے جسے میں کسی قیمت پہ کھونا نہیں چاہتا۔"

امیرہ بند مٹھی ٹھوڑی تلے رکھے اسے توجہ سے سنتی رہی۔

"پتہ ہے بچپن میں، میں کسی خوبصورت شہزادی کے ساتھ محبت کی شادی کرنے کا خواب دیکھا کرتا تھا۔" وہ اپنی اس بچکانہ حسرت پہ خود ہی دھیرے سے ہنسا۔ "پھر مجھے ریم مل گئی۔ اب میرا خواب بھی وہی ہے، اور میری تعبیر بھی وہی ہے۔"

"تم اور ریم کیسے ملے تھے؟"

اسے ان دونوں کے بارے میں زیادہ کچھ معلوم نہیں تھا۔بس اتنا جانتی تھی کہ ریم کسی کی گمشدہ بیٹی تھی، جو قلبلار کے ہجوم میں کھو گئی تھی۔

"نو برس پہلے ہم دونوں کو ایک مقامی تاجر نے غلام منڈی سے اکٹھے خریدا تھا۔ فرق صرف اتنا ہے کہ وہ قلبلار کے ہجوم میں اپنی ماں سے بچھڑ کے غلام بنانے والے بیوپاریوں کے ہاتھ چڑھ گئی تھی اور...."اس کی آواز ٹوٹی۔لہجے میں شکوہ در آیا۔"....میرے ماں باپ نے مجھے خود اپنے ہاتھوں سے بیچ دیا تھا۔"

امیرہ کی آنکھیں تعجب سے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔اتنا گہرا زخم سہنے کے بعد بھی وہ اتنا ہشاش بشاش کیسے رہتا تھا؟ ہنستے مسکراتے اس چہرے کے پیچھے اتنی دل خراش داستان ہو گی، امیرہ نے گمان تک نہیں کیا تھا۔اس لمحے وہ اسے بہت اپنا اپنا سا لگا تھا۔شاید اس لیے کہ وہ اس کا درد محسوس کر سکتی تھی۔اس کے اپنے ماں باپ نے اسے بیچا نہیں تھا لیکن کبھی اپنایا بھی نہیں تھا۔جنم دینے والوں سے دھتکار ملنا کیسا ہوتا ہے، اس تکلیف کو وہ بہت اچھے سے سمجھتی تھی۔

"تمہارے والدین نے تمہیں کیوں بیچا تھا، حرم؟"

"ہم نچلے طبقے کے لوگ ہیں، امیرہ۔ چھوٹا سا خاندان تھا ہمارا.... اماں، بابا اور ان کے دو بیٹے۔ حرم اور حمزہ۔" وہ اپنے خاندان کو یاد کر کے افسردگی سے مسکرایا۔ گال میں گڑھا بنا۔ "وہ مجھ سے تین سال بڑا ہے۔ اسے یرقان ہو گیا تھا۔ لیکن اس کے علاج کے لیے بابا کے پاس پیسے نہیں تھے۔ ان کی آمدنی سے بمشکل گھر کا خرچہ پانی ہی ہو پاتا تھا۔" اس نے سانس لینے کے لیے وقفہ دیا۔ "حمزہ کے علاج کے لیے بابا نے کسی مقامی تاجر سے ایک بھاری رقم قرضے کے طور پہ لے لی۔ لیکن پھر مقررہ وقت پہ اس قرضے کی ادائیگی نہیں کر پائے۔ وہ آدمی انہیں جان سے مارنے کی دھمکیاں دینے لگا۔ پھر ایک دن گھر میں گھس کے اس نے میرے بابا پہ بہت تشدد کیا۔ محلے کے لوگوں نے بیچ میں پڑ کے معاملہ رفع دفع کرایا اور پیسوں کی ادائیگی کے لیے ایک نئی تاریخ مقرر کی۔ لیکن پیسے درختوں پہ نہیں اگتے۔" اس نے افسوس سے سیاہ آنکھیں میچیں۔

"پیسوں کی ادائیگی کے لیے انہوں نے تمہیں بیچ دیا؟" امیرہ کے لب بے یقینی

سے ہلے۔

اس سوال پہ اس کا چہرہ زخمی ہوا۔اس نے سر کو اثبات میں جنبش دی۔"انہوں نے جب مجھ سے اس بارے میں بات کی تو میں نے بہت واویلا مچایا۔میرا بارہ سال کا ننھا سا دماغ یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ کسی کے سگے ماں باپ اپنی ہی اولاد کے ساتھ ایسا کیسے کر سکتے ہیں؟ مگر پھر ان کے ایک جملے نے مجھے ساکت کر دیا۔ محض ایک کڑوا سچ میری بارہ سالہ زندگی کو جھوٹ قرار دے گیا۔"

"انہوں نے تمہیں یہ بتایا.... کہ تم لے پالک ہو؟"وہ صدمے کی سی کیفیت میں بولی تھی۔

"میں صرف چند ماہ کا تھا جب انہیں کسی سنسان سڑک سے ملا تھا۔وہ لوگ چاہتے تو مجھے کسی یتیم خانے میں پھینک دیتے، لیکن ان لوگوں نے مجھے اپنے خاندان کا حصہ بنایا۔جو اپنے سگے بیٹے کو کھلایا، وہی مجھے بھی کھلایا۔زندگی میں کبھی ایک مرتبہ بھی مجھے یہ محسوس نہیں ہونے دیا کہ میں ان کی سگی اولاد نہیں ہوں۔ وہ حمزہ.... وہ تو اکثر جھگڑا کرنے پہ اتر آتا تھا کہ اماں بابا اس سے زیادہ پیار نہیں

کرتے۔اس بیوقوف کو لگتا تھا وہ لے پالک ہے۔" وہ ہنسا۔ مگر اس کی ہنسی میں بھی درد تھا۔

امیرہ کا دل مزید ڈوبا۔ حرم کے لیے اس کے دل میں مزید احساسِ ہمدردی پیدا ہوا۔

"میں نہیں جانتا میرے اصلی ماں باپ کون ہیں۔ لیکن میرے لیے مجھے پالنے والے لوگ ہی میرا خاندان تھے۔ان لوگوں کے احسان تھے مجھ پر۔ میں کیسے احسان فراموش بن جاتا۔" اس نے بے بس انداز میں دونوں ہونٹ آپس میں ملائے۔ کچھ دیر کی خاموشی کے بعد اس نے دوبارہ کہنا شروع کیا۔

"میں آج بھی اپنے نام کے آگے ہشام لگاتا ہوں، کیونکہ میں بابا کو ہی اپنا باپ سمجھتا ہوں۔ مجھے اپنے سگے ماں باپ سے ملنے کی کوئی چاہ نہیں ہے۔ بس اتنی سی خواہش ہے کہ مجھے پالنے والے اور مجھے جنم دینے والے.... جہاں بھی ہیں، خوش رہیں۔ میں ان کی زندگیوں میں ہوں یا نہ ہوں، ان کو کسی دکھ کا سامنا نہ کرنا پڑے۔"

"حرم کا دل توڑ کر بھی وہ لوگ خوش رہیں؟" امیرہ نے پلک جھپک کے اسے دیکھا۔

وہ اداسی سے مسکرایا۔ "ہاں۔ حرم بِن ہشام کا دل توڑ کے بھی وہ سب خوش رہیں۔"

وہ اسے کبھی بھی معمولی نہیں لگا تھا۔ اس میں ہمیشہ سے کچھ خاص نظر آتا تھا۔ مگر آج معلوم ہو رہا تھا کہ حرم بِن ہشام ہزاروں میں ایک تھا۔ اس کا دل سونے کا تھا۔ حریم خوش نصیب تھی کہ اس کی زندگی میں ایسا چاہنے والا شخص موجود تھا جو اپنے ساتھ برا کرنے والوں کے لیے بھی برا نہیں سوچتا تھا۔ اس کے ماں باپ کی طرف سے پیش کیا گیا کوئی جواز، کوئی مجبوری اس کے ساتھ کی گئی ناانصافی کی صفائی نہیں بن سکتے تھے۔ حرم پہ کیے گئے ان کے سارے احسان مل کر بھی اس زیادتی کی تلافی نہیں کر سکتے تھے جو انہوں نے اس کے ساتھ کی تھی۔

"حریم اور اس کی ماں قلبلار کیوں آئے تھے؟"

"بھاگ کے۔"

گفتگو کا رُخ حریم کی طرف ہوا۔

"حریم کا باپ اچھا شوہر نہیں تھا۔ وہ بیٹی کی موجودگی کا لحاظ کیے بغیر بھی اپنی بیوی پر تشدد کرتا تھا۔ ریم کی ماں نے ایک طویل عرصے تک صبر کر کے اپنی شادی بچانے کی ہر ممکن کوشش کی۔ مگر وہ انسان تھیں۔ آخر کب تک ایک نفسیاتی مرض کے شکار شوہر کے ساتھ سمجھوتہ کرتیں۔ انہوں نے طلاق کا مطالبہ کیا تو ہاشم نے انہیں بہت پیٹا۔ حریم کے ایک تایا بھی تھے۔ وہ کافی مذہبی تھے۔ مسجد میں جماعت کی امامت کراتے تھے۔" اس نے تلخ ہو کے سر جھٹکا۔ "لیکن ان کا دین صرف عورت کے پردے تک ہی محدود تھا۔ وہ نو سال کی بچی اپنے تایا کے پاس جا کے گڑگڑائی کے اس کے باپ کو سمجھائیں مگر اس آدمی نے اپنے نفسیاتی مریض بھائی کو روکنے کے بجائے الٹا ریم سے یہ کہا کہ اس کی ماں ایک نافرمان عورت ہے۔ اور نافرمان عورتوں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا جاتا ہے۔"

"اسی لیے اسے مذہبی لوگ اچھے نہیں لگتے؟" امیرہ نے تاسف سے پوچھا۔

اس کی گردن اثبات میں ہلی۔

"بالآخر انہوں نے گھر سے بھاگنے کا فیصلہ کیا۔ مگر قلبلار پہنچنے کے بعد ریم اپنی ماں سے بچھڑ گئی۔ مالک نے جب ہم دونوں کو اکٹھے خرید لیا تو قسمت ہم دونوں کو ایک چھت کے نیچے لے آئی۔" اس کے چہرہ پہ مدھم سی مسکراہٹ ابھری۔

"تب سے ہم دونوں ایک دوسرے کے ساتھ ہیں۔ ساتھ ہنسے ہیں۔ ساتھ روئے ہیں۔ ایک دوسرے کے آنسوں پونچھے بھی ہیں اور ایک دوسرے کی تکلیف پہ آنسوں بہائے بھی ہیں۔ وائل کے ہماری زندگیوں میں آنے سے پہلے تک ہم دونوں نے بہت مشکل وقت گزارا ہے۔ لیکن اس کٹھن دورانیے میں ہمارا تعلق اتنا گہرا ہو گیا کہ اب وہ مجھے خود سے الگ نہیں لگتی۔ اسے تکلیف میں دیکھ کر مجھے تکلیف ہوتی ہے۔ اس کا متبسم چہرہ دیکھ کے میرا چہرہ کھل اٹھتا ہے۔ وہ اداس ہوتی ہے تو میں بھی اداس ہو جاتا ہوں۔ وہ خوش ہوتی ہے تو میں بھی خوش ہو جاتا ہوں۔ اس کے ہر جذبے، ہر احساس کو میں پچھلے کئی سالوں سے جیتا آیا ہوں، امیرہ۔ پچھلے دس سالوں سے میری زندگی صرف اسی کے گرد گھوم رہی ہے۔ ایسے جیسے میں اس کا دائرہ ہوں، اور وہ میرا مرکز۔ اسے کھو دیا تو بھٹک جاؤں گا۔"

وہ سامنے دیکھتے ہوئے بات کر رہا تھا۔ آخر میں نظروں کا رُخ امیرہ کی طرف ہوا۔

اس کی آنکھوں میں پُر تجسس سی الجھن تھی۔

"کیا؟" حرم کا ابرو بے اختیار اٹھا۔

"تم نے کہا وائل کے آنے سے پہلے تمہارا وقت بہت مشکل گزر رہا تھا...."

"عجیب بات ہے نا، باقی سب کے لیے آفتیں لانے والا ہمارے لیے نوید بن کر آیا تھا۔" وہ کھلے دل سے مسکرایا تھا۔ گال کا گڑھا بے حد گہرا ہو کے اس کے چہرے کی زینت بنا تھا۔ "ہمارا مالک اچھا انسان نہیں تھا۔ غلاموں کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کرتا تھا۔ لیکن پھر ہماری زندگیوں میں وائل کا داخلہ ہوا۔ اور سب کچھ بدل گیا۔"

"کیسے؟"

"ایک دن ہمارے مالک نے خودکشی کر لی۔ ان کی وصیت کھولی گئی تو معلوم ہوا کے غلاموں سمیت وہ اپنی ساری جائیداد کسی وائل بِن آدم کے نام کر گئے ہیں۔"

وہ بہت محفوظ انداز میں بول رہا تھا۔

امیرہ کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ "مگر یہ کیسے ممکن ہے؟"

"تم نے وائل کو یہ کہتے تو سنا ہی ہو گا، کہ یہ زندگی لاتعداد امکانات اور منتخب حقیقتوں کے درمیان کا توازن ہے۔" اس کی آنکھوں میں تحسین کا تاثر تھا۔ "لیکن اپنی زندگی کے کچھ امکانات کو اس نے حقیقت کا روپ خود دیا ہے۔ یہ بھی انہی میں سے ایک ہے۔"

امیرہ کی آنکھیں تعجب سے کھلیں۔ "یعنی اس نے وصیت کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کر کے تمہارے مالک کی ساری جائیداد ہتھیالی؟"

"اور اس نے یہ سب تب کیا تھا جب وہ صرف انیس برس کا تھا۔" وہ فخر سے بتانے لگا۔ "میں نے اپنی بائیس سالہ زندگی میں وائل سے زیادہ عظیم انسان کبھی نہیں دیکھا۔ جہاں عام انسانوں کی چالاکیاں ختم ہوتی ہیں، وہاں سے اس کی چالبازیاں شروع ہوتی ہیں۔"

امیرہ کی سوچ ایک نقطے پہ اٹک گئی۔ کیا حرم کے پرانے مالک نے واقعی خودکشی

کی ہو گی یا وہ وائل بِن آدم کے پختہ اور خطرناک ارادوں کی نذر ہوا ہو گا؟

"میری نظر میں ذہانت کی تعریف وائل بِن آدم ہے۔ بندہ اگر منصوبہ ساز ہو تو اس کے جیسا، ہوشیار.... محتاط.... باریک بین.... مکار.... بہترین حکمت عملی اختیار کرنے والا.... حساب کتاب رکھنے والا۔ ورنہ نہ ہو۔ اور...." وہ اس کی تعریفوں کے ایسے پُل باندھ رہا تھا کہ امیرہ کہے بغیر نہ رہ سکی۔

"خدارا مجھ سے یہ مت کہنا کہ تم اس کے پرستار ہو؟"

وہ جو تیزی سے کہتا جا رہا تھا زبان کو یکدم قفل لگا۔

وہ اسے عجیب نظروں سے دیکھے گئی۔ گردن تعجب سے نفی میں ہل رہی تھی۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔

www.novelsclubb.com

"میں اس کا پرستار نہیں ہوں۔"

امیرہ کے تاثرات قدرے بہتر ہوئے۔ اس نے سکھ کا سانس بھرا۔ "شکر ہے۔"

میں اس کا سب سے بڑا پرستار ہوں۔"

اس نے آنکھیں پھاڑ کے حرم کو دیکھا۔

اور وہ چمکتی آنکھوں سے بتاتا گیا۔"شہزادی ساشا کے بعد اگر میں کسی سے متاثر ہوا ہوں تو وہ وائل ہے۔میں نے اس کے جیسا شاہکار کہیں نہیں دیکھا۔یقین جانو اللہ نے اس پوری دنیا میں اس کے جیسا کوئی دوسرا نہیں بنایا ہو گا۔وہ آسمان پہ چمکتے لاکھوں ستاروں میں اکیلا چاند ہے۔اپنی فطرت میں واحد۔"

اُف۔وہ اگلا پچھلا دیکھے بغیر اندھا دھن اس کی ایسے تعریفیں کر رہا تھا جیسے وہ واقعی کوئی عظیم انسان ہو۔

"سب سے اچھا وہ مجھے اس لیے لگتا ہے کیونکہ وہ ہم سب کو اپنے برابر کا انسان سمجھتا ہے۔اس سے باقی سارے تضاد اپنی جگہ لیکن اس نے ہمارے ساتھ کبھی بھی غلاموں والا سلوک نہیں کیا۔حالانکہ مالک کی وصیت کے مطابق ان کے تمام غلاموں کی ملکیت خود بخود وائل کے نام منتقل ہو گئی تھی۔ہم سب قانونی طور پہ اس کے غلام ہیں۔لیکن اس نے ہم سب کو تنخواہ کے ساتھ ملازمت کی پیشکش کی۔"

"ملازمت یعنی غیر قانونی سرگرمیاں۔"امیرہ نے تنک کے تصحیح کی۔مگر وہ اسے نظرانداز کر کے اپنی کہتا گیا۔

"ہمارے لیے انتخاب مشکل نہیں تھا کیونکہ پہلے کون سا ہم تبلیغ کا کام کرتے تھے۔قانونی حق رکھنے کے باوجود اس نے ہمارے کسی ذاتی فیصلے میں کبھی کوئی مداخلت نہیں کی۔صرف اپنے کاموں میں ہماری خدمات طلب کیں۔اور بغیر اجازت ہمیں شہر چھوڑنے نہیں دیا۔"

وائل کے حق میں بولے گئے حرم کے اتنے لمبے مکالمے کے بعد بھی وہ اس کی رائے سے اتفاق نہیں کرتی تھی۔لیکن حرم نے حقیقی غلامی جھیلی تھی،اس کے لیے آزادی کا معیار امیرہ سے مختلف تھا۔

www.novelsclubb.com

"ان دو شرائط کے علاوہ اس نے ہم سے کبھی کچھ نہیں کروایا...."

"ایک منٹ...."اس سے پہلے وائل نامہ مزید جاری رہتا امیرہ نے مشکوک نظروں سے دیکھتے ہوئے اس کی بات کاٹی۔اسے یہ خیال ہی جیسے ابھی آیا تھا۔

"شہزادی ساشا کہیں وہی شہزادی تو نہیں ہے جس سے شادی کرنے کے تم خواب

دیکھا کرتے تھے؟"

اس کے گال یکدم سرخ ہوئے۔"لاحول ولا قوۃ۔"

امیرہ نے بمشکل ہنسی دبائی۔

"ایسا کچھ نہیں ہے...."وہ بوکھلایا۔"میں بس اس کا مداح ہوں۔اور اس سے تو میں کبھی ملا بھی نہیں ہوں۔ویسے بھی پورے دو سال بڑی ہے وہ مجھ سے۔"

مارے خجالت کے اس کا چہرہ مزید سرخ ہو گیا تھا۔"وہ تو بچپن کی ایک بچکانہ خواہش تھی۔اب میں سمجھدار ہو گیا ہوں۔"

"بے شک۔"

"سچ کہہ رہا ہوں۔"وہ بگڑا۔

"میں نے یقین کر لیا ہے۔"وہ ہنسی دبائے بولی۔"اب تم کیا کرو گے؟"

"کس بارے میں؟"وہ نا سمجھی سے گویا ہوا۔

"ریم کے بارے میں۔"

"اس کی فکر مت کرو۔وہ خود ٹھیک ہو جائے گی۔اس کا مزاج لمحوں میں بدلتا

ہے۔"وہ تسلی آمیز انداز میں اسے یقین دہانی کروا رہا تھا۔

"میرا مطلب تھا اسے اپنے جذبات سے آگاہ کرو گے یا نہیں؟"

حرم نے تکان زدہ سی سانس لی۔"وہ کہتی ہے اسے محبت....شادی....زندگی بھر کا ساتھ....ان سب چیزوں پہ یقین نہیں ہے۔بقول اس کے اگر دو لوگوں کے درمیان محبت ہو بھی، تو وہ شادی کے بعد ختم ہو جاتی ہے۔ایسا وہ سب کو بتاتی پھرتی ہے لیکن سچ تو یہ ہے امیرہ کہ اسے شادی سے ڈر لگتا ہے۔اس نے کبھی کہا نہیں لیکن میں جانتا ہوں۔اس کے تلخ ماضی نے اس کے ذہن پہ گہرے اثرات چھوڑے ہیں۔وہ سمجھتی ہے اس کا نصیب بھی اس کی ماں جیسا ہو گا۔اس کی زندگی میں آنے والا شخص بھی اس کے باپ جیسا گھٹیا نکلے گا۔"ہاشم کے ذکر پہ اس کے لہجے میں کڑواہٹ گھل گئی۔"اس لیے میں کبھی بھی اسے مجھ سے شادی کرنے پہ مجبور نہیں کروں گا۔میں اتنا خود غرض نہیں ہوں جو اپنی خوشی کی خاطر اسے خود سے کسی بھی قسم کا رشتہ بنانے کے لیے مجبور کروں۔میں کر ہی نہیں سکتا۔"

وہ حریم سے محبت کرتا تھا، یہ سب کو نظر آتا تھا۔لیکن وہ اسے اتنی گہرائی میں جا

کے سمجھتا بھی تھا، یہ امیرہ کو آج پتہ چل رہا تھا۔ حرم بِن ہشام کی محبت پائیدار ہونے والی تھی کیونکہ اس کی محبت کا یہ سفر کسی منزل کا محتاج نہیں تھا۔ وہ فقط اس راستے کا مسافر بن کے بھی خوش اور مطمئن تھا۔ اسے محبوب بننے کی کوئی چاہ نہیں تھی۔

"پھر کیا کرو گے؟"

"یہ تصور کروں گا کہ شادی کو لے کر اس کا دل پلٹ جائے۔" وہ امید اور اداسی کے امتزاج سے لہجے میں بولا۔

"اس سے کیا ہو گا؟"

"میری ماں کہتی تھیں جب تک اپنی خواہشات کو تصور نہیں کرو گے تب تک وہ حقیقت بن کے تمہارے سامنے نہیں آئیں گی۔"

امیرہ کی آنکھوں میں نا فہمی تاثرات ابھرے تو وہ وضاحت سے بتانے لگا۔

"سب کی ایک خوابوں کی دنیا ہوتی ہے۔ جس میں سب کچھ ان کے تصور کے مطابق ہوتا ہے۔ انسان کے عزائم بھی اسی تصور پر مبنی ہوتے ہیں۔ کیونکہ جب تک

ہم کسی چیز کو تصور نہیں کر لیتے، تب تک وہ حقیقت کا روپ اختیار نہیں کرتی۔ کسی چیز کے ممکن ہونے سے پہلے اس کا خیال آنا ضروری ہوتا ہے۔ تب کہیں جا کر وہ حقیقت بن کر ہمارے سامنے آتی ہے۔" سیاہ آنکھوں میں چراغوں کی جھلکتی روشنی نے انہیں قدرے بھورا بنا دیا تھا۔

"اور اگر تمہارا یہ تصور کبھی حقیقت نہ بن سکا تو؟" وہ کرید نہیں رہی تھی۔ خلوص سے پوچھ رہی تھی۔

"تو پھر میں ساری زندگی اس سے خاموش محبت کرتا رہوں گا۔" اس نے دھیرے سے شانے اچکائے۔

"یک طرفہ محبت بہت مشکل ہوتی ہے، حرم۔"

"تم نے کبھی کی ہے؟" وہ پیچھے ہو کے بیٹھا۔

امیرہ کی گردن نفی میں ہلی۔

"پھر تمہیں کیسے پتہ کہ وہ مشکل ہوتی ہے؟" اس نے انگلی اور انگوٹھے سے کان کی لو مسلی۔

www.novelsclubb.com

"میں نے سنا ہے۔"

"سنی سنائی باتوں پہ یقین کرنا چھوڑ دو، شہزادی۔" اسے نے مسکرا کے نرمی سے تنبیہ کی۔

"اور یہ مجھ سے ایک جاسوس کہہ رہا ہے جو خود ہر سنی سنائی بات آ کے اپنے سیٹھ کو بتاتا ہے۔" امیرہ نے آنکھیں گھمائیں۔

"تعریف کے لیے شکریہ۔" وہ مسکراتے ہوئے دائیاں ہاتھ مؤدبانہ انداز میں پیشانی تک لے کے گیا۔

وہ افسوس سے نفی میں سر ہلا کے رہ گئی۔

اس بات میں کوئی شک نہیں تھا کہ وائل بِن آدم کی پلٹن کے سبھی افراد مطمئن ڈھیٹ اور ہٹ دھرم تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

قلبلار۔

"میں نہران جانے کا ارادہ دو تین ہفتوں تک ملتوی کر رہا ہوں۔"

غزال کے تہہ خانے کے روشن دان کی ننھی کھڑکی کھلی تھی جس کے باعث تیز دھوپ اندر آتی اندھیر تہہ خانے کو روشنی نوازرہی تھی۔اس زاویے پہ دھوپ کا ترچھا رُخ تھا،اس لیے تیز کرنیں ان کے درمیان بچھے لکڑی کے میز پہ اپنی چھاپ چھوڑتی دھول کے ننھے ذروں کو زندگی بخش رہی تھیں۔وائل سربراہی کرسی پہ براجمان تھا۔اوران پانچوں نے طویل میز کی باقی نشستیں سنبھال رکھی تھیں۔

"کیوں؟"بولنے والا سیف تھا۔

"ان سب کے سامنے امیرہ کو زبان دی تھی۔وعدہ خلافی کیسے سکتا ہوں۔"

امیرہ نے بھنویں سکیڑ کے اسے دیکھا۔

وہ اتنے اعتماد سے کہہ رہا تھا جیسے ابھی چار دن قبل اسی کرسی پہ بیٹھ کہ اس نے یہ نہیں کہا تھا کہ امیرہ سے کیے وعدے کی مدت اس کی قائرہ سے واپسی کے بعد ختم ہو جائے گی۔مطمئن بے شرم۔

"پھر ہم کب جائیں گے؟"سیف نے دوبارہ استفسار کیا۔

"عید کے پانچویں دن سلطان خیام کے محل میں جشن منایا جائے گا...."

"عید کا جشن تو عموماً دوسرے دن منایا جاتا ہے۔ نہیں؟ حرم نے سوالیہ تاثرات چہرے پہ لیے اس کی بات کاٹی تو اس نے ایک ناگوار نظر اس پہ ڈالی۔ کوئی اس کی بات کاٹے، یہ اسے پسند نہیں تھا۔

وہ گہرا سانس لے کے بولا۔ "ہاں مگر کچھ دنوں تک سلطان خیام نے اپنا ولی عہد مقرر کرنا ہے۔ اس سال کا جشن عید سے زیادہ ولی عہد کی نامزدگی کی خوشی میں منایا جائے گا۔ گو کہ مجھے شک ہے درحقیقت کوئی بھی غابانوی شہری اس نامزدگی سے خوش ہو گا۔" وہ سپاٹ لہجے میں کہتا حرم کو دیکھ رہا تھا۔

"کیوں خوش نہیں ہو گا۔ شہزادہ تیمور لوگوں میں بہت مقبول ہے۔ غابانوی شہری اسے پسند کرتے ہیں۔"

www.novelsclubb.com

"تمہیں کس نے کہا کہ ولی عہد شہزادہ تیمور بنے گا؟"

وہ بہت کم گو تھا۔ ضرورت کے تحت اپنی کہتا تھا اور ضرورت کے تحت ہی دوسروں کی سنتا تھا۔ لیکن آج شاید گفتگو کے مزاج میں تھا۔ عموماً وہ اپنے منصوبے سے سب کو آگاہ کر کے چلا جاتا تھا۔ آج گنے چنے الفاظ سے زیادہ بول رہا تھا۔

"سب جانتے ہیں، سیٹھ۔اس بات میں کوئی دو رائے نہیں ہے۔" حرم نے ناک سے مکھی اڑائی۔

"پھر میں تمہیں لکھ کے دینے کے لیے تیار ہوں کہ غابانیہ کا ولی عہد حاتم بِن خیام بنے گا۔سلطان خیام کے مرنے کے بعد تاج کس کے سر پہ جائے گا یہ میں نہیں جانتا۔لیکن ولی عہد چھوٹا شہزادہ ہی بنے گا۔" اس کا اعتماد بھرا لہجہ اتنا مضبوط تھا جیسے سلطان خیام نے اپنا ولی عہد مقرر کرنے سے پہلے اسی سے مشاورت کی ہو۔

"تم اتنے وثوق کے ساتھ کیسے کہہ سکتے ہو؟" حرم نے سنجیدہ انداز میں سوال کرتے پہلو بدلا۔

"تم نے اخبارات میں حاتم بِن خیام کی اعلیٰ شخصیت پہ لکھے گئے لمبے لمبے مکالمے نہیں پڑھے؟ کئی مہینوں سے عوامی رائے کو اس کے حق میں بدلنے کی ناکام کوشش کی جا رہی ہے۔پچھلے ہفتے اس کے ابوالحسن کے گرفتار کرنے کے کارنامے کو بھی شاہی کالم نگاروں نے بڑھا چڑھا کے پیش کیا۔" وہ بہت دلچسپی سے ایک سیاسی معاملے پہ تبصرہ کر رہا تھا۔اور حریم کے علاوہ سب اسے پوری توجہ لگائے سن رہے

تھے۔شاید اس لیے کہ کم بولنے والے جب بولتے ہیں تو پھر سب سانس روک کے انہیں سنتے ہیں۔

حریم نے آج صبح سے حرم کے علاوہ کسی سے کوئی بات نہیں کی تھی۔اب بھی وہ میز کے وسط میں نظر آنے والی سورج کی کرنوں پہ نظریں جمائے ہوئی تھی۔بظاہر وہ ٹھیک نظر آتی تھی، مگر وہ ٹھیک نہیں تھی۔اس کے بچپن کی ٹوٹی پھوٹی، تکلیف دہ یادوں نے اس کے دماغ پہ اچانک اپنا بصیرہ کر لیا تھا۔اسے دوبارہ بے پرواہ سی، ہنستی مسکراتی، شرارتی ریم بننے کے لیے کچھ وقت درکار تھا۔

"عموماً ایسی اعلیٰ درجے کی گرفتاریاں عوامی نظر میں اتنی جلدی نہیں آتیں، مگر اس مخصوص گرفتاری کو جان بوجھ کر عوامی نظر میں لایا گیا۔کیوں؟تاکہ شہزادے حاتم کے بارے میں لوگوں کے خیالات بدل جائیں۔" وہ حرم کی طرف دیکھتے ہوئے بات کر رہا تھا۔

حرم کے ساتھ والی کرسی پہ سیف بیٹھا تھا۔دفعتاً امیرہ کی نظر اس پہ پڑی تو اسے احساس ہوا کہ وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔اس کی نظروں میں گہری سوچ کے علاوہ کوئی

اور قابلِ اعتراض تاثر نہیں تھا۔ پھر بھی نجانے کیوں مگر امیرہ بہت غیر آرامدہ ہوئی تھی۔ کچھ تھا جو اس لڑکے کے بارے میں اسے کھٹکتا تھا۔

حرم نے قطعی انداز میں بولنا شروع کیا تو وہ اس کی طرف متوجہ ہوئی۔ "وہ ایک ایسا شہزادہ ہے جس کا کوئی قصور نہ ہوتے ہوئے بھی، اس کے ملک کے لوگوں نے اسے مسترد کر رکھا ہے۔ ظاہر ہے اس کے بارے میں عوامی رائے بدلنے کی کوشش کی جائے گی۔ میرا نہیں خیال تمہارا یہ اندازہ درست ہے، سیٹھ۔ تم کچھ زیادہ ہی پیچیدگی میں جا کے سوچ رہے ہو۔"

"مگر...." سیف نے حوالہ دینے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ وائل ترش انداز میں چبا چبا کے بولا۔

www.novelsclubb.com

"جب دو عقل مند لوگ آپس میں بات کر رہے ہوں، تو بیوقوفوں کو چاہیے کہ وہ اپنا منہ بند رکھیں۔"

سیف نے ضبط سے دانت کچکچا کے منہ پھیر لیا۔

"اگر میرا اندازہ سچ ثابت ہوا تو اس کام سے ملنے والی رقم کا اپنا حصہ مجھے دو گے؟"

اس کی نظروں کا رُخ واپس حرم کی طرف ہوا۔

حرم کو تھوڑا وقت لگا سمجھنے میں۔ پھر وہ مدافعانہ انداز میں دونوں ہاتھ اٹھا کے بولا۔ "میرا خیال ہے تمہارا اندازہ درست ہی ثابت ہو گا۔"

اس مرتبہ وہ ان سب کی طرف متوجہ ہوا۔ "مجھے بس یہی بتانا تھا۔ جب دوبارہ اس بارے میں بات کرنی ہوئی تو تم لوگوں کو بتا دوں گا۔ تم لوگ جا سکتے ہو۔"

"تم نے دیکھا سیٹھ نے مجھے عقل مند کہا۔" حرم اس کے قریب آ کر دھیمی آواز میں چہکا۔ "تم مانو نہ مانو میں اس کا پسندیدہ بازیگر ہوں۔" گال میں گڑھا نظر آیا۔

امیرہ نے تعجب بھری نگاہ اس پہ ڈالی۔ سر افسوس سے ہلا۔ "اس نے تمہیں عقل مند نہیں، سیف کو بیوقوف کہا ہے۔" حرم کی خوشی پہ پانی پھیرنا امیرہ نے انتہائی ضروری سمجھا۔

حرم کی مسکراہٹ سمٹی۔

"جلتی رہو۔" امیرہ کے سر پہ ایک ہلکی سی چت لگا کے وہ الٹے قدم سیڑھیوں کی طرف بھاگ گیا۔

"بد تمیز۔"اس نے پہلے آنکھیں گمائیں۔پھر ہلکا سا مسکرا دی۔

ایک ایک کر کے سب چلے گئے تو وہ بھی اٹھی اور آہستہ قدموں سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔البتہ ذہن شدید الجھن کا شکار تھا۔

کیا وہ واقعی اس سے کیے گئے وعدے کی وجہ سے اپنا ارادہ بدل رہا تھا؟دل ہی دل میں خود سے سوال کیا۔مگر وہ وائل تھا۔وہ اپنے فیصلے کسی کے لیے نہیں بدلتا تھا۔

پھر کیوں؟

اپنے پیچھے اس کے قدموں کی چاپ سنائی دی اور پھر اگلے لمحے اس کے پاس سے گزر کے اس نے پہلی سیڑھی پہ قدم رکھا۔

"تمہارا دماغ ٹھیک ہے،وائل؟"وہ پوچھے بغیر نہ رہ سکی۔

اس نے پلٹ کے رُخ امیرہ کی طرف کیا۔وہ اب اس سے دو سیڑھیوں کے فاصلے پہ کھڑا تھا۔جھکے سر کے ساتھ اس کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔امیرہ کو اس کی آنکھوں میں دیکھنے کے لیے گردن قدرے اونچی کرنی پڑ رہی تھی۔

"تمہاری دھمکیوں کی وجہ سے اپنے ارادے ملتوی کر دیئے ہیں تو ظاہر ہے ٹھیک

نہیں ہے۔"اس نے جیسے جتایا۔

"میری دھمکیوں کی وجہ سے؟"اس نے پتلیاں سکیڑیں۔

"کیوں پرسوں صبح وہ تم ہی تھی نا جس نے میری آنکھوں میں آنکھوں گاڑ کے کہا تھا کہ تمہارے ساتھ نہ ہان جائے گی میری جوتی۔"

"میں نے ایسا کچھ نہیں کہا تھا۔"امیرہ نے اس بہتان کی تردید کی۔آنکھیں پھاڑ کے اسے گھورا۔

"انداز ایسا ہی تھا۔"اس نے شانے اچکائے۔

پرسوں صبح کا ذکر ہوا تو اسے کچھ اور بھی یاد آیا۔اب سمجھ آئی کہ اس نے اچانک اپنا ارادہ ملتوی کیوں کر دیا تھا۔

"دو دن پہلے کا اخبار پڑھا تھا تم نے؟یقیناً پڑھا ہو گا۔"تائید میں سر ہلاتے خود ہی اپنے سوال کا جواب دیا۔"لیکن ایک مرتبہ پھر پڑھ لو تاکہ یاد آجائے کہ یہ کام تم نے میری دھمکیوں کی وجہ سے ملتوی نہیں کیا۔بلکہ اس لیے کیا ہے کیونکہ اب تمہارے پاس وقت ہی وقت ہے۔تم باقی سب کو بیوقوف بنا سکتے ہو مجھے نہیں۔

www.novelsclubb.com

میں غابانوی قوانین وضوابط سے اچھی طرح واقف ہوں۔پہلے ابوالحسن کو کسی بھی وقت پھانسی کی سزاسنائی جاسکتی تھی، مگراب اسے عمر قید کی سزاسنائی جاچکی ہے۔ اس لیے مجھ پہ یہ احسان مت جتاؤ کہ یہ تاخیر تم نے مجھ سے کیے گئے وعدے کا پاس رکھنے کے لیے کی ہے۔کیونکہ یہ تم نے میرے لیے نہیں کیا،وائل۔"

"بہت اچھی بات ہے جو تم کسی غلط فہمی کا شکار نہیں ہو۔"وہ شکوے اور سرد مہری کے ملے جلے تاثرات میں کہہ کر وہاں سے چلا گیا۔امیرہ وہیں کھڑی ایک بار پھر سوچ میں پڑ گئی۔

(کیاوہ اس کے اس عمل کو واقعی غلط نظریے سے دیکھ رہی تھی؟)

اچانک اسے اپنے پیچھے عجیب سی آہٹ سنائی دی تو وہ ہڑبڑا کے پلٹی۔اور اگلے لمحے وہ شدید تعجب سے منجمد ہوئی۔اس کے سامنے ایک غیر شناسا چہرہ موجود تھا۔ اس کی پیشانی پہ سوکھے ہوئے خون کے دھبے تھے۔حلیہ سے وہ مکمل طور پہ اپنے حواسوں میں بھی نہیں لگ رہا تھا۔مگر سوال اس وقت یہ تھا کہ وہ تہہ خانے میں کیسے آیا؟

"تم کون ہو؟" وہ قدرے سہم کے اس کے قریب گئی۔

"ج.... جبیل۔" وہ بدقت بول پایا۔

"یہاں کیسے آئے؟"

اس نے بولنے کے لیے لب کھولے جو بری طرح سوکھ چکے تھے۔ وہ یقیناً کم آبی کا شکار تھا۔

"میں.... مجھے.... یاد...." وہ یاد کرنے کی کوشش میں بری طرح ناکام ہوا۔

"تم یہاں بیٹھو، میں تمہارے لیے پانی لاتی ہوں۔" امیرہ نے اس کے لیے کرسی نکالی اور خود میز کے دوسرے کونے پہ پڑا جگ اٹھا کے اس میں سے پانی گلاس میں انڈیلنے لگی۔

www.novelsclubb.com

اس نے گلاس اٹھایا مگر اس سے پہلے وہ پلٹتی اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی خیز لہریں دوڑیں۔ کوئی اس کے پیچھے کھڑا تھا۔ کوئی نہیں.... جبیل۔ امیرہ کو پہلی بار اس لڑکے کی وہاں اس طرح موجودگی سے خوف محسوس ہوا تھا۔ دل کی دھڑکن خود بخود بڑھ گئی۔

وہ دھیرے سے اس کی جانب مڑی۔ نظریں دو خونخوار آنکھوں سے ٹکرائیں۔ گلاس ہاتھوں سے چھوٹ کے زمین پہ جا گرا۔اس صورتحال میں امیرہ کی زبان پہ صرف ایک نام آیا تھا۔

"وائل!" جس وقت یہ نام اس کے لبوں سے جدا ہوا، عین اسی وقت اس کی گردن جبیل کے دونوں ہاتھوں کی جکڑ میں آئی۔اس نے اسے گلے سے دبوچ کے لکڑی کے میز پہ پٹخا۔

لکڑی اس کی قمر کی ہڈی سے ٹکرائی تو جسم کے پچھلے حصے میں تکلیف دہ ٹھیس اٹھی۔امیرہ نے چلانے کے لیے منہ کھولا۔ مگر اس کا گلا دو کانپتے ہاتھوں کی مضبوط گرفت میں جکڑا تھا۔کچھ بول پانا تو دور کی بات اس سے سانس تک نہیں لیا جا رہا تھا۔اس اچانک حملے سے ملے دھچکے کے باعث آنکھیں دہشت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔اس نے دونوں ہاتھ اوپر لے جا کے خود کو اس کے مضبوط شکنجے سے چھڑانا چاہا۔وہ ناکام رہی۔وہ لڑکا مدہوشی کی حالت میں ہو کر بھی اس سے کئی طاقتور تھا۔ اس کی بصارت دھندلانے لگی تھی۔اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے تہہ خانہ گول

گول گھوم رہا ہے۔اوپر۔نیچے۔اوپر۔نیچے۔

اس کی نظروں کے آگے اب سیاہ رات چھانے لگی تھی۔کانوں میں ماضی کے راگ گونج رہے تھے۔

"تم امیرہ ہو نا؟"

ایک بے حد پیارے انسان کی بے حد پیاری آواز۔جو کسی نغمے کی طرح اس کے کانوں سے ٹکرا رہی تھی۔بار بار۔

"میں سمر ہوں، سمرِ بن خالد۔رمالیہ کے شہر، مثلج کا شہزادہ۔"

اس کے چہرے کی جلد زرد ہوتی گئی۔جسم کا درجہ حرارت بھی جیسے لمحہ بہ لمحہ بڑھتا گیا۔

www.novelsclubb.com

"دوست بنو گی میری؟"

ماتھے اور گردن کی رگیں اب واضح طور پہ ابھر رہی تھیں۔اتنی کہ گنی جا سکتی تھیں۔

"مجھے بھی آپ کی صحبت میں وقت گزار کے بہت اچھا لگا، شہزادی صاحبہ۔"

اسے اپنی آنکھوں میں خون جمع ہوتا محسوس ہوا۔آنسوں آنکھوں سے نکل کے چہرے کو بھگوتے جا رہے تھے۔

"تم شہزادی ہو امیرہ۔جانتی ہو کیوں؟کیونکہ تمہارا نام امیرہ ہے۔اور امیرہ کا تو مطلب ہی شہزادی ہے۔"

اس کے جسم کا گوشہ گوشہ خوف سے کانپ رہا تھا۔

"ساشا کے بعد مجھے تمہارے ساتھ وقت گزارنا سب سے زیادہ اچھا لگتا ہے۔"

اس کا پورا وجود تڑپ تڑپ کے جدوجہد کرتا اپنے حملہ آور کے ساتھ بقا کی جنگ لڑ رہا تھا۔

"والدہ کہتی ہیں،میں تمہارے دکھ سکھ کا ساتھی ہوں۔"

اس کے ماتھے پہ پسینے کے موتیوں کی مالا سی بن گئی تھی۔یکے بدیگرے ٹھنڈے موتی اس کے چہرہ پہ سرک رہے تھے۔پسینے اور آنسوؤں سے اس کا چہرہ مکمل بھیگ چکا تھا۔

"ایسا نہیں کہتے امیرہ۔موت کی خواہش کرنے سے اللہ ناراض ہوتا ہے۔"

ہوا اب مکمل طور پہ منقطع ہو چکی تھی۔اس کا دم گھٹ رہا تھا۔

"اگلی مرتبہ میں ساشا کو بھی لے کر آؤں گا۔اسے تم سے اور تمہیں اس سے مل کر بہت اچھا لگے گا۔"

زندگی جیسے دھیرے دھیرے اس کے جسم سے رخصت ہو رہی تھی۔

"میں دوبارہ تم سے پھولوں کے موسم میں ملنے آؤں گا۔تب تک کے لیے الوداع،امیرہ بنتِ آدم۔"

اس سے اب اپنا ہی وزن برداشت نہیں ہو رہا تھا۔مانو تو جیسے جسم میں ہمت نہیں۔وجود میں جان نہیں۔

"ایک بار تم رُخارا آجاؤ۔پھر ہم کبھی الگ نہیں ہوں گے۔ہمیشہ ساتھ رہیں گے۔"

مزاحمت کرتا،اس کا جسم تھک ہار کے جواب دے گیا۔ہاتھ خود بخود میز پہ گر سے گئے۔

"تمہارے دل میں جو بھی ہے تم مجھ سے سب کہہ سکتی ہو۔میں برا نہیں مانوں گا۔"

جبیل کی گرفت مزید زوردار ہوتی گئی۔اسے لگا اب کسی بھی لمحے اس کی جان نکل جائے گی۔

"تمہارے باپ نے تمہیں قبول نہیں کیا تو یہ ان کی بدقسمتی ہے۔تم میں کوئی کھوٹ نہیں ہے امیرہ۔تم تو بہت پیاری ہو۔"

انگلیاں تڑپ تڑپ کے میز پہ پنجے گاڑ رہی تھیں کہ اچانک ہاتھ میں کوئی پتلی سی شے آگئی۔کیا؟ یہ اسے معلوم نہ تھا۔

"بہت کچھ ہے،جو تم ہو۔اور بہت کچھ ہے،جو تم بن سکتی ہو۔جیسے کہ بہادر....ہمت اور حوصلے والی۔"

امیرہ نے اس چیز کو مضبوطی سے اپنی مٹھی میں دبایا۔اور پھر پورا زور لگا کے اسے جبیل کی گردن میں گھونپ دیا۔وہ کراہتا ہوا بے اختیار پیچھے لڑکھڑایا۔اس کی گردن سے خون کی پھوار پھوٹ پڑی تھی۔خون کی بوندیں ٹپک ٹپک کے نیچے

فرش پہ گر رہی تھیں۔

وہ بمشکل اٹھ کے سیدھی ہو پائی۔ مگر اس کی ٹانگوں میں کھڑا رہنے کی ہمت نہیں تھی۔ خود بخود ہی زمین پہ لڑھک گئی۔ آنکھوں کے آگے اندھیرا جالا پھیلا تھا۔

"وا...."اس نے وہ نام پھر سے لینا چاہا۔ لیکن وہ لے نہیں سکی۔

"وائل۔"اس مرتبہ زبان نے ساتھ دیا۔ لیکن آواز ہونٹوں سے نکل کر صرف اسی کے کانوں تک محدود رہی۔ بے حد مدھم۔ جیسے کوئی سرگوشی ہو۔

وہ شدید گھبراہٹ اور گھٹن کے احساس سے دوچار، بری طرح سے ہانپ رہی تھی۔

اس کی نظروں کے آگے سے دھند کچھ چھٹی۔ اس نے ہاتھ میں پکڑی شے سامنے کر کے دیکھی۔ وہ وائل کا قلم تھا۔ سخت نوکیلا۔ جس کی نوک پہ اب لال خون لگا تھا۔ وہ یقیناً غلطی سے اسے نیچے تہہ خانے میں ہی چھوڑ گیا تھا۔

اس نے سر اٹھایا۔ منظر ابھی بھی دھندلا تھا لیکن اس نے دیکھا جبیل ایک مرتبہ پھر اس پہ جھپٹا تھا۔ اس کی گردن سے خون ٹپک رہا تھا۔

اس سے پہلے اس کا ہاتھ دوبارہ امیرہ تک پہنچتا کوئی دائیں طرف سے نمودار ہوا تھا۔اس نے جبیل کی گردن دبوچی اور اسے برق رفتاری سے پیچھے کی طرف دھکیلتا ہوا ایک ہی حرکت میں دوسری دیوار تک لے کر گیا۔اس کے وجود کو اتنی زور سے دیوار کے ساتھ پٹخا کہ آواز امیرہ کو یہاں تک آئی تھی۔

اس نے اپنے اوپر کافی حد تک قابو پا کے دور نظر آتے منظر کو دیکھا۔

وائل جبیل کو صرف ایک ہاتھ استعمال کرتے ہوئے گردن سے پکڑے زمین سے قدرے اوپر اٹھائے ہوئے تھا۔اس کا منہ اور آنکھیں وحشت سے کھلی ہوئی تھیں۔

اس نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن ہمت نہیں ہوئی۔اسے ابھی تک ٹھیک سے سانس نہیں آرہا تھا۔اسے رونا آرہا تھا۔وہ چیخنا چاہتی تھی۔اس نے بے بسی سے آنکھیں بند کر لیں۔آنسوں آنکھوں سے بدستور نکلتے رہے۔لیکن حلق سے ایک مدھم سی آواز تک نہیں نکل پا رہی تھی۔

"امیرہ کیا ہوا ہے تمہیں؟"فیض سیڑھیوں سے اتر کے اس کی طرف لپکا تھا۔

وہ گھٹنوں کے بل اس کے سامنے بیٹھا اور فکر مندی سے پوچھنے لگا۔"امیرہ رونا بند کرو اور مجھے بتاؤ کیا ہوا ہے؟"آواز اونچی اور بے چین تھی۔

"وائل...."رندھی سی آواز۔

"وائل کو کیا ہوا؟"

"وہ....وہ اسے....مار ڈالے گا۔"اس نے بدقت انگلی اٹھا کے فیض کے پیچھے اشارہ کیا۔

فیض نے دھیرے سے گردن پیچھے موڑی اور پھر وہ تہہ خانے کی دوسری طرف کو بھاگا تھا۔

"وائل چھوڑو اسے۔"اس نے وائل کی کلائی پکڑ کے جبیل کو چھڑانے کی کوشش کی۔

جواباً اس نے ایک ہی جھٹکے میں خود سے الگ کیا تھا۔فیض اوندھے منہ زمین پہ جا گرا۔

امیرہ نے اپنا اسکارف ٹھوڑی کے نیچے سے ڈھیلا کیا۔سانس قدرے بحال ہوا تو

وہ جلدی سے بھاگ کے تہہ خانے کی دوسری طرف پہنچی۔

"وائل چھوڑو اسے۔وہ مر جائے گا۔"امیرہ نے اس کا آزاد ہاتھ پکڑ کے جھنجھوڑا۔اس کی کلائی کی رگیں اس قدر نمایاں تھیں کہ کسی بھی وقت پھٹ جاتیں۔کانوں کی لو بھی لہو کی طرح لال ہو چکی تھی۔

اس نے گردن امیرہ کی طرف موڑی۔آنکھوں میں قہر اترا تھا یا کیا....خون آلود سرخ لکیریں ابھر کے باہر آنے کو تھیں۔وہ جنونی لگ رہا تھا۔جیسے اپنے حواس کھو بیٹھا ہو۔

"اس نے جان بوجھ کے مجھ پر حملہ نہیں کیا۔وہ ہوش میں نہیں تھا۔چھوڑ دو۔اس کی جان چلی جائے گی،وائل۔"اس کی کلائی کو پکڑ کے پیچھے کرتے ہوئے امیرہ نے بے قرار آواز میں منت کی۔

اس کی گرفت بے حد مضبوط تھی۔لیکن اس نے زیادہ دیر کیے بغیر ایک جھٹکے سے اس کی گردن چھوڑی اور دو قدم پیچھے ہوا۔اس نے پہلے اپنے خون سے لت پت ہاتھ کو دیکھا۔پھر امیرہ کو۔اس کی سانسیں تیز تھیں لیکن امیرہ کے مقابلے وہ

انتہائی پُر سکون لگ رہا تھا۔اس نے لمحوں میں خود کو مرکب (کمپوز) کر لیا تھا۔ پتہ نہیں وہ ایسا کیسے کر لیتا تھا؟

جبیل اب فرش پہ یوں پڑا تھا جیسے بے جان ہو۔نیچے خون ہی خون تھا۔اس کی گردن سے نکلنے والا خون۔

امیرہ کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں۔سانسیں تھم گئیں۔اس میں ہمت نہیں تھی نیچے جھک کے اس کے اوندھے منہ پڑے وجود کو سیدھا کر کے دیکھنے کی۔اگر وہ مر چکا ہوا تو؟ نہیں وہ قاتلہ نہیں ہو سکتی تھی۔اس کی گردن نفی میں ہل رہی تھی۔

فیض جلدی سے قریب ہوا اور اسے سیدھا کر کے نبض کا معائنہ کیا۔

"زندہ ہے۔"

امیرہ نے سکھ کا سانس لیا۔

"زندہ ہے لیکن سانس بہت مدھم ہے۔کوئی علینہ کو بلا کے لاؤ۔" وہ اپنی جیکٹ اتار کے اس کی گردن کے زخم پر رکھتے ہوئے وہ تیزی سے بولا۔نہ وائل اپنی جگہ

سے ہلا۔نہ امیرہ۔اسے اپنے عقب میں وائل کی پُر سکون سی گہری سانسوں کی دھن سنائی دے رہی تھی۔

"بت بنے کیوں کھڑے ہو دونوں۔علینہ کو بلا کر لاؤ۔"فیض اس مرتبہ باقاعدہ چلایا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ دونوں ہاتھ سینے پہ باندھے دیوار سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔دائیں جانب بنے کمرے میں علینہ کرسی پہ بے ہوشی کی حالت میں لیٹے جبیل کی گردن کا زخم دیکھ رہی تھی۔حرم اس کے ساتھ کھڑا تھا۔وہ اس مقام سے یہ ساری کاروائی ہوتی دیکھ سکتا تھا۔

www.novelsclubb.com

فیض دونوں ہاتھ گھٹنوں پہ باندھے فرش پہ ہی بیٹھا تھا۔نظریں اس کی بھی علینہ کے تیز چلتے ہاتھوں پہ تھیں۔

"کیا حال کیا ہے اس وحشی نے تمہارا۔"حریم کی درشت آواز سماعت سے ٹکرائی تو اس کا چہرہ بائیں جانب کو مڑا۔

امیرہ وائل کی طرف پشت کیے بیٹھی تھی۔ جبکہ حریم کے چہرے کے ناخوش تاثرات اسے بخوبی نظر آرہے تھے۔ وہ اس کے سامنے کھڑی، دوپٹہ ہٹا کے اس کی گردن پہ بنا سرخ نشان دیکھ رہی تھی جو کہ اب یقیناً نیلا پڑ چکا تھا۔ ساتھ ہی وہ جبیل کو لعنت ملامت بھی کر رہی تھی۔

"تم آرام سے یہیں بیٹھو میں تمہارے کھانے کے لیے کچھ لاتی ہوں۔"

"حریم میرا روزہ ہے۔" بھاری سی آواز میں امیرہ نے اسے یاد دلایا۔

اس کے لب اوہ میں سکڑے۔

"پھر میں آج تمہارے لیے افطاری کا خاص اہتمام کروں گی۔" وہ خوش دلی سے کہتی سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔

www.novelsclubb.com

علینہ کمرے سے نکل کے اس کے پاس آئی۔

"میں نے اس کے زخم کی مرہم پٹی کر دی ہے۔ لیکن وائل اسے طبیب خانے لے جانا ہو گا۔ اس کا بہت خون ضائع ہو چکا ہے۔" پریشان سی آواز میں اطلاع دی۔

"ایسا نہیں ہو سکتا علینہ۔ اگر وہ وہاں ہوش میں آ گیا تو ہمارے لیے مسائل پیدا کر

دے گا۔" وہ اس کی طرف مڑا۔ کرسی پہ بے ہوش پڑے جبیل کو دیکھا۔ ساتھ ہی ایک تیز نظر رسی کے بل سیدھے کرتے حرم پہ ڈالی۔ پھر پُر امید نظریں علینہ کی طرف موڑیں۔ "تمہیں جو کرنا ہے یہیں کرنا ہو گا۔"

"ایسے تو وہ بچے گا ہی نہیں۔" وہ مزید گھبرائی۔

"امیرہ کے اندر بہت انسانیت ہے۔" اس کی نظریں دیوار کی طرف منہ کر کے بیٹھی امیرہ کی طرف گئیں۔

"کیا؟" علینہ نے نا سمجھی سے ابرو اٹھائی۔

"دفاعی حملہ ہی کیوں نہ ہو۔ وہ خود کبھی معاف نہیں کرے گی۔ اندر ہی اندر گھلتی رہے گی۔ احساسِ ندامت اسے کھا جائے گا۔ تم مجھے بتاؤ تمہیں کون سی ضروری اشیا چاہئیں.... میں تمہیں سب یہیں لا دوں گا۔ لیکن جبیل مرنا نہیں چاہیے۔"

علینہ نے اپنی کہنے کے لیے ہونٹ کھولے۔

"وائل!" سیڑھیوں سے حریم نے اونچی صدا لگائی۔

سب کی گردنیں اس طرف مڑی تھیں۔

وہ بھاگتی ہوئی سیڑھیوں کے دھانے تک آئی۔"ایک مسئلہ ہو گیا ہے۔"

"سب سے بڑا مسئلہ تو تم خود ہو۔"

"نوابی آیا ہے۔"

وہ فوراً سیدھا ہو کے کھڑا ہوا۔

"نوابی؟رمزی سیٹھ کا سب سے قابلِ اعتماد بندہ اور...."

"ہونے والا داماد۔"حریم نے بات مکمل کی۔

"ایک منٹ۔"فیض زمین سے اٹھا۔"یہ رمزی سیٹھ تو مارخور گروہ کا سربراہ نہیں ہے؟"

www.novelsclubb.com

وائل نے سر اوپر نیچے ہلایا۔

"اور اندر جس بندے کو تم لوگوں نے حبس بے جا میں رکھا ہوا ہے وہ....وہ کس گروہ کا فرد ہے؟"

"مارخور۔"اس مرتبہ جواب حرم نے دیا تھا۔

"شاباش۔"فیض نے تالی بجا کے جیسے ان سب کو خراج تحسین پیش کی۔

"تم اسے بٹھاؤ۔میں آتا ہوں۔"حریم کو کہہ کر وہ کمرے کی طرف چلا گیا۔

حرم کے ہاتھ سے رسی جارحانہ انداز میں کھینچی۔اس نے شرمندگی سے نظریں پھیر لیں۔پچھلی مرتبہ جبیل کو رسیوں میں اس نے جکڑا تھا۔اتنی نااہلی سے کہ امیرہ کی جان جانے والی تھی۔

اس نے رسی کو پوری دس مرتبہ جبیل کے اوپری حصے کے گرد لپیٹا۔کس کے دو چار گرہیں لگائیں۔کانٹے دار نظر حرم پہ ڈالی اور اوپر آ گیا۔

نوابی ٹانگ پہ ٹانگ جمائے آرام دہ انداز میں بیٹھا تھا۔ماتھے پہ سرخ رنگ کی پٹی۔کانوں میں بالیاں۔گلے میں زنجیریں۔کلائیوں میں موتیوں والے کڑے۔ اور منہ میں کچھ چبھاتا ہوا۔وہ اپنے ازلی حلیے میں ہی تھا۔وائل کو دیکھ کے ہاتھ اوپر لہرایا۔

وہ قریب گیا اور کرسی نکال کے مخالف نشست پہ بیٹھ گیا۔

"میرا ایک بندہ غائب ہے۔"وہ سیدھا مدعے پہ آیا۔

"میں نے لاپتہ افراد کو ڈھونڈنے کا کوئی ادارہ نہیں کھول رکھا۔"

"چچ چچ چچ میں کیسے بھول گیا۔" رک کے منہ میں موجود شے باہر تھوکی۔

وائل نے ناگواری سے آنکھیں بند کیں۔ صبر کا کڑوا گھونٹ بھرا۔

"تم نے تو انہیں لاپتہ کرنے کا ادارہ کھول رکھا ہے۔" وہ ڈھٹائی سے مسکراتا آگے ہو کر بیٹھا۔ دونوں کہنیاں میز پہ جمائیں۔

وائل پیچھے ٹیک لگا کر اسے تحمل سے دیکھنے لگا۔ وہ جانتا تھا نوابی کی بکواس شروع ہونے والی ہے۔

"میرا بندہ تمہارے پاس ہے اس بات میں کوئی شبہ نہیں۔ جس موٹی اسامی کو تم نے پھنسایا ہے اس کا کام پورا ہونے کے بعد تم خود ہی جبیل کو رہا بھی کر دو گے۔ لیکن میری ایک بات دونوں کان کھول کے سن لو، عفریت۔"

"ارشاد۔" ہاتھ اوپر اٹھایا۔

"تمہاری بربادی کا دن دور نہیں ہے۔ جیسے تم نے ہمیں برباد کیا، ویسے ہی تم خود بھی برباد ہو گے۔ جب سے تم اس شہر میں آئے ہو ہمارے لیے مسائل کھڑے کر

رہے ہو۔مار خوروں نے قلبلار کا سب سے مشہور و معروف مجرمانہ گروہ بننا تھا۔"

"جرم کے نام پہ کلنک گروہ۔"اس نے دل ہی دل میں تصحیح کی۔

"مگر تم نے ہمارے گاہکوں کو اپنی رنگ برنگی باتوں کے جال میں پھنسا کے ہماری طرف سے مشکوک کر دیا۔دوسرے الفاظ میں ہمیں نااہل قرار دیا۔"

"کیونکہ تم لوگ نااہل ہو۔"

ہو پہ زور دیتے ہوئے اسے ٹوکا۔پھر خود ہی ہاتھ سے اسے بات جاری رکھنے کا اشارہ کیا۔

نوابی نے ناگوار نظر اس پہ ڈالی۔

"مجھے آج بھی اچھے سے یاد ہے کیسے تم نے مار خوروں کے حق پہ ڈاکہ ڈالا ہے۔"

"حق؟"

"حق۔"سلگ کے تائید کی۔

"نوابی جب تم چھوٹے تھے تو کبھی ایسا ہوا کہ تم گرے ہو اور تمہارے دماغ پہ

گہری چوٹ آئی ہو؟" وہ محفوظ سے انداز میں آگے ہو کے بیٹھا۔

اس کی سلگتیں نظریں مزید جل اٹھیں۔

"عقل کو ہاتھ مارو جاہل انسان۔ میں نے تم لوگوں کو مزید گناہ کرنے سے بچایا ہے۔ جو چوریاں، جو جرائم تم لوگوں نے کرنے تھے وہ میں نے کیے۔ تمہیں تو ساری زندگی میرا احسان ماننا چاہیے۔"

"بے فکر رہو۔ احسان کا بدلہ سود سمیت تمہیں واپس لوٹایا جائے گا۔" اس نے الفاظ جیسے باہر تھوکے۔

"پچھلے چار سالوں سے سن رہا ہوں۔ جب میں بھوڑا ہو گیا تب آئے گا وہ دن؟"

"صبر اور انتظار کرو وائل بن آدم۔ تمہیں تمہارے ہی کسی بندے کے ذریعے منہ کی نہ کھلائی تو میرا نام بھی نوابی نہیں۔" وہ اتنے اعتماد سے کہہ رہا تھا وائل ایک لمحے کے لیے کھٹکا۔ وہ یہ دھمکی آج سے پہلے بھی کئی بار دے چکا تھا۔ مگر جتنا بااعتماد وہ آج لگ رہا تھا آج سے پہلے کبھی نہیں لگا تھا۔

دماغ نے چند نقاط سوچنے کے بعد جمع تفریق کی۔

خادم ان کے آگے کھانے ٹرے میں رکھے برتن اور کھانا پیش کر کے گیا۔

"پھر آج سے اپنے لیے ایک نیا نام سوچنا شروع کر دو۔" وہ غیر متاثر انداز میں بولا۔

"اور تم الٹی گنتی گننا شروع کر دو۔ کیونکہ برے دن دور نہیں ہیں۔ ایک وقت آئے گا جب تمہارا اور تمہارے بازیگروں کا نام اس صفحہ ہستی سے مٹ جائے گا۔"

وائل کے چہرے پہ پہلے، میں توڈر گیا والے مصنوعی تاثرات ظاہر ہوئے پھر بیزاری۔

"تم جو قلب کے بے تاج بادشاہ بنے پھرتے ہو نا یہ بادشاہ گیری عنقریب ختم ہو جائے گی۔ تمہاری یہ سلطنت جل کر بھسم ہو جائے گی۔" اس نے دونوں ہاتھ اطراف میں دوڑائے۔ "اور میں قسم کھا کے کہتا ہوں تب میں اپنے ہاتھوں سے تمہاری جان لوں گا۔"

وائل بیزار بیٹھا اس بے معنی گفتگو کو سنتا رہا۔ نظریں ٹرے میں موجود چھری پہ مرکوز تھیں۔

"تم تمہارے بعد آنے والوں کے لیے عبرت کا نشان بن کر رہ جاؤ گے۔

اور...." نوابی کی تیز چلتی زبان کو تالا لگا تھا۔ اگلے چند لمحوں تک اس کے منہ سے مزید کوئی لفظ نہ نکلا تو وائل نے سر اٹھا کے اس کا چہرہ دیکھا۔

اس کی نظریں وائل کے عقب میں تھیں۔ چہرہ پہ انتہائی کمینی مسکراہٹ سجائے وہ آنکھیں چھوٹی کیے بغور "کچھ" دیکھ رہا تھا۔ یا شاید "کسی" کو دیکھ رہا تھا۔ اس نے گردن موڑ کے دیکھا۔

نظر ایک لمحے کے لیے امیرہ سے ملیں۔ وہ باورچی خانے کے بیرونی دیوار سے ٹیک لگائے کھڑی تھی۔

اس کی رگوں میں خون کی گردش تیز ہوئی۔ اعصاب تنے۔ مٹھیاں بھینچیں۔ کان کی لو گاڑھی سرخ ہو گئی۔

آنکھیں بند کر کے صبر کا کٹھن گھونٹ حلق سے نیچے اتارا۔ پھر رُخ واپس موڑ کے بند مٹھی زور سے میز پہ ماری۔ سارے برتن زور سے تھرتھرائے۔ ٹھر۔ ٹھر۔ ٹھر۔

نوابی نے مصنوعی انداز میں ہاتھ کان پہ رکھا۔

"اپنی گندی نظریں مجھ تک محدود رکھو۔ورنہ ان آنکھوں سے کسی اور کو دیکھنے کے لائق نہیں رہو گے۔"اس کی غلیظ آنکھوں میں آنکھیں ڈالے وہ تنبیہ بھرے لہجے میں بولا۔

نوابی کی کمینی مسکراہٹ گہری ہوئی۔

"کون ہے یہ؟"انتہائی دلچسپی سے کریدا۔

"جو بھی ہے۔تمہارے کسی کام کی نہیں ہے۔"وہ ٹھہر ٹھہر کے بولا۔لہجے میں تنبیہ برقرار تھی۔

"واقعی!ایک تو خوبصورت نہیں ہے۔"اس نے مایوسی سے چچ کیا۔"اوپر سے دوپٹہ بھی اوڑھتی ہے۔میرے واقعی کسی کام کی نہیں ہے۔"

اس نے ضبط سے آنکھیں بند کیں۔خود کو اپنے سامنے پڑی پلیٹیں اٹھا کے نوابی کے سر میں دے مارتا تصور کیا۔میز پہ پڑی چھری اس کی آنکھوں میں گھونپی۔

دونوں ہاتھوں سے زنجیروں سے بھرا گلا دبایا۔

پھر گہرا سانس لے کر خیال جھٹک دیا۔

کسی اور دن سہی۔

"اب اگر تمہاری بکواس ختم ہو گئی ہے تو باہر جانے کا راستہ ادھر ہے (خارجی دروازے کی جانب اشارہ کیا) ضائع کرنے کے لیے وقت نہیں ہے میرے پاس۔"

وہ نہیں اٹھا۔ ڈھیٹوں کی طرح اپنے آگے رکھا کھانا کھانے لگا۔ جب وہ کافی دیر بعد اٹھ کے چلا گیا تو وائل باورچی خانے میں آ گیا۔

امیرہ میز کے گرد رکھی کونے والی کرسی میں بیٹھی تھی۔ درمیان میں یخنی کا ایک بڑا برتن دھرا تھا جو یقیناً ابھی ابھی چولہے سے اترا تھا۔ اس کا دھواں اور خوشبو سارے باورچی خانے میں رسی بسی تھی۔ وہ اس کے برابر والی کرسی چھوڑ کے اگلی کرسی پہ بیٹھا گیا۔

"یہ تھا نوابی؟" وہ خلا میں کسی غیر مرئی نقطے کو دیکھ رہی تھی۔

"ہوں۔"

"نام سے تو نواب لگا تھا۔" ہاتھ لاشعوری طور پہ گردن تک اٹھا۔ بے تابی سے۔ اضطراب سے۔

"اور حلیے سے؟" وائل نے دلچسپی سے اس کی طرف دیکھا۔

"بدمعاش۔" اس کا ہاتھ بار بار اضطرابی کیفیت میں اپنی گردن تک جا رہا تھا۔

"کیا کہہ رہا تھا؟"

"بکواس۔"

"پھر بھی۔" اس نے چہرہ وائل کی طرف موڑا۔ رنگت ابھی تک سفید محسوس ہوتی تھی۔ روشن سنہری آنکھوں سے مانند سا خوف رہ رہ کے چھلک رہا تھا۔

"یہی کہ مجھے برباد کر دے گا۔ میری جان لینے کی دھمکی بھی دے رہا تھا۔"

"تم ڈرے؟" وہ مبہم سا مسکرائی۔

"جو چیز برحق ہے اس سے کیسا ڈر؟"

امیرہ نے ایک قلم اس کی طرف بڑھایا۔ یہ وہی قلم تھا جسے لینے وہ تہہ خانے میں واپس گیا تھا۔

"میری جان بچانے کے لیے شکریہ۔" تشکر آمیز لہجے میں کہتے ہوئے اس کا دوسرا ہاتھ دوبارہ گلے تک گیا تو وائل نے بازو لمبا کر کے اسے نرمی سے پکڑ لیا۔ اس کا ہاتھ برف کی طرح ٹھنڈا تھا۔

"ایسے مت کرو۔ بار بار ہاتھ لگانے سے زیادہ جلن ہو گی۔" سنجیدہ مگر شائستہ لہجے میں کہہ کر اس کا ہاتھ نرمی سے چھوڑ دیا۔

اس کے دوسرے ہاتھ میں موجود قلم پکڑ کے جیب میں ڈالا۔

"آج جو ہوا اسے بھول جاؤ۔ سب ٹھیک ہے۔ کسی کو کچھ نہیں ہوا۔ کسی کو کچھ نہیں ہو گا۔ جبیل.... وہ بھی چند دنوں تک ٹھیک ہو جائے گا۔ تم اب بھی وہی امیرہ ہو جو تھوڑی دیر پہلے تک تھیں۔"

www.novelsclubb.com

اسے لگا امیرہ کی آنکھیں بھر آئیں ہیں۔ وہ جلدی سے اٹھی اور تیز قدموں باورچی خانے سے باہر نکل گئی۔ میز پہ رکھی یخنی گرم دھواں چھوڑتی رہ گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

تین دن بعد....

قلبلار۔

آج پورے چاند کی رات تھی۔آسمان کی سیاہی میں چاند کی مدھم چاندنی پروئی ہوئی تھی۔

عشا کی اذان قریبی مسجد سے گونجتی گردونواح میں پھیلنے لگی تو امیرہ نے میز پہ سلیقے سے رکھا جائے نماز اٹھایا۔اس سے پہلے وہ اسے فرش پہ بچھا پاتی اس کے کمرے کے دروازے پہ دستک ہوئی۔

"علینہ کہاں ہے؟"

اس نے دروازہ کھولا تو وائل کی قدرے بے چین آواز سننے کو ملی۔

وہ اسے پورے تین دنوں بعد دیکھ رہی تھی۔دن میں تو وہ ویسے بھی کم ہی نظر آتا تھا، لیکن پچھلے تین روز سے رات کو بھی گھر نہیں آرہا تھا۔شاید وہ اپنے کسی کام میں الجھا ہوا تھا۔جس کے بارے میں صرف علینہ جانتی تھی۔

"ابھی تھوڑی دیر پہلے وہ یہ کہہ کے گھر سے نکلی ہے کہ تم اسے اپنے کسی کام سے باہر بھیج رہے ہو۔بھول گئے؟"امیرہ نے قدرے حیرت زدہ تاثرات کے ساتھ

اسے یاد دہانی کروائی۔

وائل کے لب اوہ میں گول ہوئے۔

اسے اچنبھا ہوا۔وائل کی یادداشت اس کے جتنی مضبوط نہیں تھی لیکن اتنی بڑی بات وہ کبھی نہیں بھول سکتا تھا۔یہ جیسے ایک ان ہونی تھی۔

اس کے چہرے کو بغور دیکھنے پہ اسے احساس ہوا کہ وہ کسی تکلیف میں مبتلا ہے۔ ذہنی؟ یا جسمانی؟ یا شاید دونوں....

وہ سمجھنے والے انداز میں سر ہلا کے سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔

"تمہاری طبیعت ٹھیک ہے؟"اس نے پیچھے سے پکارا۔

وہ پلٹا۔امیرہ چل کے اس کے قریب گئی۔سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"کچھ نہیں بس سر میں درد ہے۔"اس نے انگلیوں اور انگوٹھے سے دونوں کنپٹیاں رگڑیں۔"علینہ سے گولیاں لینے آیا تھا۔مگر خیر...."

"میں اپنے لیے چائے بنانے نیچے جانے والی تھی،تمہارے لیے بھی بناؤں؟"وہ انتہائی اذیت آمیز کیفیت میں لگ رہا تھا۔امیرہ اس کے لیے اتنا تو کر ہی سکتی تھی کہ

چائے کی ایک پیالی ہی بنا دیتی۔

"تم جانتی ہو میں کسی کے ساتھ بیٹھ کر چائے نہیں پیتا۔" وہ آواز سے بیمار لگ رہا تھا۔

"تو تم اکیلے پی لینے۔ میں نہیں پیوں گی۔" اس نے کندھے اچکائے۔

"مگر تم تو اپنے لیے...."

"اگر مگر کچھ نہیں۔ جانتی ہوں تمہیں چائے نہیں پسند، لیکن آج دوا سمجھ کے پی لو۔ آزمائی ہوئی بات ہے، اس سے سر درد ٹھیک ہو جاتا ہے۔" وہ رسان سے کہہ کے سیڑھیاں اترنے لگی۔ جب وہ اس کے پیچھے نہیں آیا تو پلٹ کے قدرے خفگی سے بولی۔ "اب کھڑے کیوں ہو.... چلو۔"

وہ کچھ لمحے کھڑا اسے دیکھتا رہا پھر شکست خورہ سانس لے کر اس کے پیچھے چل دیا۔

وہ دونوں اتنے دنوں بعد ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ امیرہ کا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھ چکا تھا۔ اس کی طرف سے بھی کوئی بے رخی ظاہر نہیں کی گئی تھی۔

www.novelsclubb.com

اس دن ہوئے واقع اور پھر باورچی خانے میں ہونے والی گفتگو کے بعد وہ اس سے ناراض رہتی بھی تو کیسے؟ وہ نہ ہوتا تو شاید امیرہ بھی نہ ہوتی۔

وہ اس سارے معاملے کو لے کر مطمئن تھی۔اور اس میں سب سے بڑا ہاتھ وائل کا ہی تھا۔اس کے چند جملوں نے امیرہ کے بے چین دل کو آرام بخشا تھا۔ دلاسا دیا تھا۔(سب ٹھیک ہے۔کسی کو کچھ نہیں ہوا۔کسی کو کچھ نہیں ہو گا۔تم اب بھی وہی امیرہ ہو جو تھوڑی دیر پہلے تک تھیں۔)

اس نے ٹھیک کہا تھا جبیل چند دنوں تک ٹھیک ہو جائے گا۔وہ واقعی بہت تیزی سے تندرست ہو رہا تھا۔علینہ نے اس کے علاج میں کوئی کمی نہیں چھوڑی تھی۔

وہ دونوں آگے پیچھے سیڑھیاں اتر کے باورچی خانے میں آئے۔امیرہ نے چولہا جلا کے اس پہ چائے کا پتیلا چڑھایا۔پانی، پتی اور الائچی ڈالنے کے بعد ابالی آنے کا انتظار کیا اور پھر دودھ اور چینی ڈال کے وائل کی طرف مڑی۔

وہ قلم ہاتھ میں پکڑے اپنی چھوٹی سی ڈائری، جسے وہ ہمیشہ جیب میں رکھتا تھا، اس پہ تیزی سے کچھ لکھ رہا تھا۔نظریں ہنوز سفید کاغذ پہ مرکوز تھیں۔چہرے پہ

ابھی تک تکلیف دہ تاثرات نمایاں تھے۔

اتنے مہینوں میں وہ بخوبی جان گئی تھی کہ وائل فارغ نہیں بیٹھ سکتا تھا۔اسے ہمیشہ کچھ نہ کچھ کرتے رہنے کی عادت تھی۔یا شاید وہ ارادتاً خود کو مصروف رکھتا تھا۔

وہ سینے پہ ہاتھ باندھ کے اپنے پیچھے تختے سے ٹیک لگائے اس کے چہرے کو بے مقصد دیکھنے لگی۔

وہ اس سے بے حد شرمندہ تھی۔اس دن کی گئی بدتمیزی کے لیے معافی مانگنا چاہتی تھی۔لیکن سمجھ نہیں آرہا تھا کہ بات کا آغاز کیسے کرے۔شرمندگی سے زیادہ اسے حیرانی تھی کہ وائل نے ایسے رویے پر ابھی تک اس کا سر کیوں نہیں پھاڑا تھا؟

وہ انتہائی سرگرم قسم کا انسان تھا۔چھوٹی چھوٹی باتوں پہ بھی جب آپے سے باہر ہو جاتا تھا۔اس کے غصے کے آگے کچھ نہیں ٹھہرتا تھا۔یہ تو پھر اتنی بڑی بات تھی....

"امیرہ پہلی بات مجھے گھورنا بند کرو۔اور دوسری بات تمہاری چائے ابل کے گر رہی ہے۔" وہ اس کی طرف دیکھے بغیر سپاٹ انداز میں بولا تو وہ کرنٹ کھا کے سیدھی کھڑی ہوئی۔

"وہ....میں تو بس....مجھے لگا کہ تم...." رک کے دیکھنے پہ احساس ہوا کہ وہ اس کی وضاحت میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتا۔

(ایک تو اس آدمی کی پتہ نہیں کتنی آنکھیں تھیں؟) اس نے دانت پیستے ہوئے سوچا۔(اُف۔پتہ نہیں کیا سوچ رہا ہو گا میرے بارے میں کہ میں اسے ایسے کیوں تاڑ رہی تھی؟) خود کو ملامت کرتی ہڑبڑا کے چولہے کی طرف پلٹی اور پھرتی سے اسے بند کیا۔چائے کو پیالی میں ڈالا اور اس کے سامنے والی کرسی پہ بیٹھتے ہوئے پیالی اس کے آگے رکھ دی۔چائے کی پیالی سے نکلتا دھواں دونوں کے درمیان حائل ہو گیا۔

وہ پیہم ڈائری میں لکھ رہا تھا۔

دفعتاً بائیں جانب بنی کھڑکی کے پاس سے کوئی گزرا تو دونوں کی نظروں نے اس

کا تعاقب کیا۔وہ حرم تھا۔بغل میں دبائے جائے نماز کو صحن کے بیچ و بیچ بچھایا۔اور پھر اس پہ کھڑا ہو کے عشاء کی نماز ادا کرنے لگا۔

"نو سو چوہے کھا کے بلی چلی حج کو۔"وائل گردن واپس پھیرتے ہوئے سانس تلے بڑبڑایا۔

"میں نے سنا۔"امیرہ نے اسے قدرے خفگی سے گھورا۔

"کچھ غلط نہیں کہا میں نے۔"اس نے امیرہ کو دیکھتے ہوئے کہا تو لہجے میں کوئی پشیمانی نہ تھی۔"سارا سال گناہ کرتے رہو۔اور اس ایک مہینے میں نیک پروانے بن جاؤ۔اچھی منافقت ہے۔"

"جب کوئی گناہگار رمضان میں اچانک مذہبی ہو جائے تو وہ منافق نہیں ہوتا، وائل۔ہم چاہے کتنے ہی گناہگار کیوں نہ ہوں، کہیں نہ کہیں ہم سب میں اللہ کا قرب حاصل کرنے کی چاہ ہوتی ہے۔اور رمضان وہ بابرکت مہینہ ہے، جس میں یہ چاہت انسان کی باقی چاہتوں پر غالب آجاتی ہے۔کیونکہ ہمارے کان میں سرگوشیاں کرنے والے شیاطین زنجیروں میں جھکڑے ہوئے ہوتے ہیں۔"اس

نے شیاطین کا لفظ ادا کرتے ہوئے ایک معنی خیز نظر وائل پہ ڈالی تو اس کے چہرے پہ نمایاں ہونے والے تاثرات دیکھ کے وہ بتا سکتی وہ اندر تل سلگ اٹھا ہے۔

"اس لیے عام دنوں میں عبادت نہ کرنے والا انسان اگر رمضان میں عبادت کرنا شروع کر دے تو اسے منافق مت کہو۔ شاید یہ اس کے لیے اللہ کے قریب ہونے کا آغاز ہو۔"

دنیا میں بہت کم لوگ تھے جو امیرہ کو اچھے نہیں لگتے تھے۔ اور دوسروں کے اچانک مذہبی ہونے پر غیر ضروری تبصرے کرنے والے لوگ ان میں سر فہرست تھے۔

"تم پھر مجھے ڈانٹ رہی ہو۔" وہ پھر پہ زور دیتے ہوئے اُس صبح ہوئے واقع کا حوالہ دے رہا تھا۔ اور ایسا کر کے جو کام امیرہ کو اتنا مشکل لگ رہا تھا، وہ اس نے آسان بنا دیا تھا۔

"ڈانٹ نہیں رہی.... صرف بات کر رہی ہوں۔" نرمی سے کہتے ہوئے وہ ذرا آگے ہو کے بیٹھی۔

وہ ہنوز قلم کو کاغذ پہ گھسیٹ رہا تھا۔

"وائل...." اس نے دھیرے سے اس کا نام لیا تو پھرتی سے چلتا ہاتھ تھم گیا۔

"کیا؟" نظریں اٹھا کے امیرہ کو دیکھا۔

"مجھے تم سے.... بات کرنی ہے۔" وہ ذرا جھجکی۔

اس نے ڈائری فوراً بند کر کے ایک طرف رکھ دی اور ساری توجہ امیرہ کی طرف مرکوز کر لی۔

وہ اب اس کی طرف متلاشی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

امیرہ نے کھنکھار کے گلا صاف کیا۔ "اُس صبح کے رویے کے لیے میں تم سے معذرت کرنا چاہتی ہوں۔ میں نے جو کیا وہ مجھے نہیں کرنا چاہیے تھا۔ میں نے کہیں اور کا غصہ تم پر نکال دیا۔ لیکن میں اس کے لیے تم سے معافی مانگ رہی ہوں۔ میرے لیے تمہارے دل میں اس بات کو لے کر جو بھی میل ہے اسے صاف کر لو۔"

وہ سرمئی آنکھیں حیرت سے بڑی کیے اسے ایسے دیکھ رہا تھا جیسے یہ آخری چیز

تھی جس کی اس نے توقع کی تھی۔

"اور میں کان کی کچی نہیں ہوں، وائل۔ میں جانتی ہوں ریم کی کہی باتوں میں صرف تیس فیصد صداقت تھی۔ باقی سب کچھ اس نے خود شامل کیا تھا۔ لیکن میں اس وقت غصے میں تھی، اور اس غصے کی وجہ تم نہیں تھے۔ لیکن سامنے تم آئے تو وہ تم پہ نکل گیا۔"

"پھر کون تھا، تمہارے قہر کی وجہ؟" اس نے استہزائیہ انداز میں قہر پہ زور دیا۔

وہ کچھ لمحے سوچنے کے بعد بالآخر بولی۔ "مدرسے والے۔"

وائل کی آنکھیں استفہام سے ذرا پھیلیں۔

"انہوں نے مجھے نوکری سے نکال دیا ہے۔" امیرہ نے وضاحت کی۔

"لیکن کیوں؟"

"میں تمہارے لیے کام کرتی ہوں، اس لیے۔"

اس کے ماتھے پہ ناگواری سے چند شکنیں پڑیں۔ "یہ بات انہیں آج پانچ ماہ بعد یاد آئی ہے کے تم میرے لیے کام کرتی ہو؟"

"وہ غلط نہیں ہیں، وائل۔ میں، تم، یا جرائم کی دنیا سے تعلق رکھنے والا کوئی بھی فرد ان بچوں کے لیے محفوظ نہیں ہے۔ کبھی نہ کبھی یہ ہونا تھا۔ لیکن ایسے اچانک ہو جائے گا، یہ نہیں سوچا تھا میں نے۔"

وہ بس گہری سانس لے کے رہ گیا۔

"ویسے یوں تہلکہ خیز انداز میں غصے کا اظہار کرنا تمہاری خاندانی روایت ہے۔"

وہ بخوبی جانتی تھی کہ وہ اس کے خاندان کے کس فرد کا حوالہ دے رہا ہے۔ مگر وہ اس طنز کو نظر انداز کیے ایک مرتبہ پھر اسے بے مقصد نگاہوں سے دیکھنے لگی تھی۔

اس نے ڈائری بند کی۔ اور اسے واپس کوٹ کی اندرونی جیب میں ڈال دیا۔

"الفاظ خود بخود تمہارے منہ سے باہر نہیں نکلیں گے، امیرہ۔ جو پوچھنا چاہتی ہو وہ پوچھو۔" اس کی نظروں کا ارتکاز خود پہ محسوس کر کے وہ ہاتھ جھلا کے عام سے انداز میں بولا۔ چائے کی پیالی اپنے قریب کی۔

"میں نے تمہارے ساتھ بدتمیزی سے بات کی.... تم نے ابھی تک کچھ کیا کیوں نہیں؟"

"کیونکہ...." بے دھیانی میں بس اتنا سا کہہ کہ وہ رک گیا۔

(اس نے پلکیں اٹھا کے امیرہ کو ایک گہری نظر دیکھا۔ وہ اس سے کہنا چاہتا تھا کہ من پسند لوگوں پر بس کہاں چلتا ہے۔ لیکن وہ یہ نہیں کہہ سکتا تھا۔ یہ سننے کے بعد امیرہ کا سوال ہوتا "وہ من پسند کیوں ہے؟" اور اس کیوں کا اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ جو دل کو اچھا لگتا ہے، وہ بس دل کو اچھا لگتا ہے۔ کسی بھی کیوں.... کسی بھی وجہ کے بغیر۔

اسے نہیں معلوم.... کب اور کیسے، اس کا دل امیرہ کی طرف مائل ہونے لگا۔ کب اسے اس پہ غصہ کرنا دشوار لگنے لگا۔ کب اس کی موجودگی میں ہونے والی کوفت، راحت میں بدل گئی۔

معلوم تھا تو بس اتنا کہ وہ لاکھ انکاری ہی کیوں نہ ہو جاتا، امیرہ کے لیے اس کے پتھر دل میں ایک نرم گوشہ وجود رکھتا تھا، جس کی موجودگی اب دوسروں کو بھی نظر آنے لگی تھی۔)

وہ اس کے جواب کی منتظر تھی۔ شاید وہ اپنے الفاظ تول رہا تھا۔ اس کے گلے میں

www.novelsclubb.com

گلٹی سی ابھر کے ڈوبی۔کافی دیر تک وہ اس کا چہرہ تکتا رہا۔تاثرات بتاتے تھے کہ جو کہنے جا رہا تھا،اسے کہنے کا ارادہ بدل دیا تھا۔

"تمہیں کچھ کرتا تو خود بھی زندہ نہ رہ پاتا۔" وہ پیالی کے کنارے بے مقصد اپنی انگلی پھیر رہا تھا۔

اس کی بات سن کے امیرہ کی دھڑکن ایک لمحے کے لیے تھمی تھی۔

"مطلب؟" ہونٹ بے اختیار ہلے۔"کیا مطلب ہے اس بات کا؟" آواز میں ہلکی سی کپکپاہٹ تھی اور دل زور سے دھک دھک کر رہا تھا۔

اس کی گردن ہولے سے کھڑکی کے پار صحن میں نماز پڑھے حرم کی طرف ڈھلکی۔"تمہاری پرواہ کرنے والے بہت ہیں امیرہ،میں تمہیں ہاتھ بھی لگاتا تو وہ سب میرے منہ کو آجاتے۔"

(وہ یہ نہیں کہہ سکا کہ اسے اس کے ساتھ کچھ بھی غلط کرنا محال لگتا ہے۔)

"میں نے کبھی نہیں سوچا تھا تم بازیگروں سے ڈرتے بھی ہو گے؟" اسے دل ہی دل میں ہنسی آئی۔

"میں کسی سے نہیں ڈرتا۔" گردن واپس اس کی طرف موڑی اور بگڑے لہجے میں بولا۔ "مجھے بس اپنی زندگی میں فالتو تماشے نہیں چاہیے۔" اس نے پیالی اٹھا کے لبوں سے لگائی۔

"یہ تم کہہ رہے ہو؟"

"یقین نہیں آرہا؟" پیالی منہ سے جدا کر کے جتانے والے انداز میں پوچھا۔

"ذرا برابر بھی نہیں۔"

"مجھے بھی۔"

دو پلوں کی خاموشی کا وقفہ آیا اور پھر وہ دونوں ہی ہنس پڑے تھے۔

اس کی ہنسی کسی دکھی ساز کی طرح تھی۔ اداس۔ شکستہ۔ دل شکن۔

ایسے جیسے باہر سے ہنس تو رہا تھا، لیکن اندر کے زخم آج بھی گہرے اور تازہ تھے۔

وہ اکثر سوچتی تھی کہ وائل بِن آدم کو وائل بِن آدم بنانے والی کیا چیز رہی ہو گی۔

نفس؟ تقدیر؟ تربیت؟ یا پھر معاشرہ؟

"ایک بات پوچھوں۔"

"پوچھیں۔"

"پچھلے تین دنوں سے کہاں تھے؟"

"اپنی معشوقہ کے پاس۔" وہ سنجیدہ تھا۔

"تم طنز کر رہے ہو؟" امیرہ نے یقین اور بے یقینی کے درمیان قدرے ہچکچا کے پوچھا۔

"ظاہر ہے میں طنز کر رہا ہوں۔ اگر تمہارا جاننا ضروری ہوتا تو میں تمہیں بتا دیتا کہ میں کہاں تھا۔"

"پھر اتنا بتا دو کہ تم آج کل کس کام میں مصروف ہو؟" اس نے وہی سوال مختلف الفاظ میں دہرایا۔

www.novelsclubb.com

وہ استہزاء سے مسکرایا۔ امیرہ کو اس کی مسکراہٹ انتہائی ناگوار لگی۔ لیکن جب وہ بولا تو لہجہ سنجیدہ تھا۔ "کسی ڈوبتے کے لیے تنکے کا سہارا بنا ہوا ہوں۔"

"مدد کر رہے ہو کسی کی؟" امیرہ کو یقین نہیں آیا۔

"میں اچھا ہو کر بھی صرف برا ہوں، جانِ تمنا۔" شیطانی مسکراہٹ چہرے پہ

سجائے یاد دہانی کروائی۔

امیرہ نے آنکھیں گھمائیں۔

"میں اس کی مدد نہیں کر رہا۔اس پہ احسان کر رہا ہوں۔اور اس احسان کا بدلہ وقت آنے پر سود سمیت وصول کروں گا۔"

"میں بھی کہوں تمہاری معشوقہ کہاں سے آگئی؟"وہ زیرِلب بڑبڑائی۔

"یہی بات اونچی آواز میں دہراؤ۔"

"اگر ایمانداری سے بات کی جائے تو تمہیں برداشت کرنا قلبلار کا کوئی پہاڑ ڈھانے کے مترادف ہے۔میرا نہیں خیال اس دنیا کی کوئی لڑکی تمہیں جھیل سکتی ہے،وائل۔"

www.novelsclubb.com

"اور جنت کی حوریں مجھے ملنے سے رہیں؟"اس نے تائید میں سر ہلایا۔پھر مصنوعی افسوس سے آنکھیں میچتے ہوئے بولا۔"ہائے اللہ! میں تو ہمیشہ کے لیے کنوارا رہ جاؤں گا!"

امیرہ چند ثانیے خاموشی سے اسے دیکھے گئی۔پھر اس کے اس قدر جعلی انداز پہ

بے اختیار ہنس پڑی۔

اسے ہنستا دیکھ کر وہ اتنا کھل کے مسکرایا تھا کہ سخت طوفانی آنکھیں بھی نرم پڑ گئی تھیں۔

اس کی ہنسی کھوکھلی اور افسردہ لگتی تھی۔ لیکن اس کی مسکراہٹ دلکش تھی۔ مگر صرف تب، جب وہ دل سے مسکراتا تھا۔ ویسے تو زہر سے بھی زیادہ کڑواہٹ بھری مسکراہٹ ہوتی تھی اس کی۔ کم از کم امیرہ کو زہر جیسی ہی لگتی تھی۔

"تمہیں پتہ ہے وائل، مسکرانا سنت ہے۔" وہ کہے بغیر نہ رہ سکی۔

وہ یک ٹک اسے دیکھے گیا۔ مسکراہٹ یکدم غائب ہوئی تھی۔

"میں فرائض پورے نہیں کرتا امیرہ، سنتیں کہاں سے پوری کروں گا۔" کافی دیر بعد کسی غیر مرئی نقطے پہ نظریں جمائے تضحیک سے بولا۔

"مسکراتے ہوئے تم اچھے لگتے ہو۔" وہ غیر ارادتاً اپنائیت سے بول بیٹھی۔

"میں برا لگنا چاہتا ہوں، امیرہ۔"

"تمہاری اپنے آپ سے کوئی دشمنی ہے؟ بنا کچھ کیے بھی ثواب کمانے کے سارے مواقع یونہی گنوا دیتے ہو۔"

اس کا اشارہ وائل کے روزہ نہ رکھنے کی طرف تھا۔ وہ سخت قسم کا نظم وضبط قائم رکھنے والا انسان تھا۔ آدھے سے زیادہ اصول تو امیرہ کی سمجھ سے ہی باہر تھے۔ اس نے دن میں چھ گھنٹوں کا ایک وقت مقرر کر رکھا تھا۔ اس کے علاوہ باقی اٹھارہ گھنٹے وہ صرف پانی پیا کرتا تھا۔ اس کا کہنا تھا، انسان کو کھانا زندہ رہنے کے لیے کھانا چاہیے۔ نہ کہ کھانے کے لیے زندہ رہنا چاہیے۔ اس لیے روزہ تو اس کے لیے کوئی مشکل کام ہی نہیں تھا۔ صرف نیت کرنی ہوتی تھی اور اس پہ بھی اس احمق کو اعتراض تھا۔ بیوقوف۔

www.novelsclubb.com

"کیونکہ میں خود کو کسی قسم کے ثواب کا اہل نہیں سمجھتا۔" اس کی نظریں اب ہاتھ میں موجود پیالی پہ مرکوز تھیں۔

"کیوں؟"

"میں ایک گناہگار ہوں۔ اور گناہگار ایسے ہی ہوتے ہیں۔" کڑواہٹ سے بول

کے پیالی منہ سے لگائی اور ایک ہی بار میں باقی کی ساری چائے پی گیا۔

"مجھے لگتا ہے ہر گمراہ انسان میں خود کو اللہ کے لیے بدلنے کی اہلیت ہوتی ہے۔"

اس نے پیالی واپس میز پہ رکھی اور دونوں ہاتھ سینے پہ باندھ کے کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے ذرا پیچھے ہو کے بیٹھا۔

"تم کہیں مجھے جنت میں دیکھنے کی خواہشمند تو نہیں ہو؟" لبو لہجہ ایسا تھا جیسے امیرہ نے کوئی لطیفہ سنایا ہو۔

"کیا ایسی خواہش کرنا غلط بات ہے؟"

"اچھے مذاق کر لیتی ہو۔" اس نے طنز سے سر جھٹکا۔

"میں مذاق نہیں کر رہی، وائل۔" وہ زور دے کے بولی۔ "کیا پتہ تم واقعی جنت میں چلے جاؤ۔"

"اور یہ تمہیں کیسے پتہ؟"

"تم اللہ کو مانتے ہو؟"

"ہاں۔ مگر میں اللہ کی نہیں مانتا۔" کی پہ زور دیا۔

www.novelsclubb.com

"اس بات پہ ایمان رکھتے ہو کہ محمد ﷺ اللہ کے آخری رسول ہیں؟"

"ہاں۔ لیکن میں ان کے بتائے ہوئے راستے پر نہیں چلتا، امیرہ۔" وہ پُرزور اور بلند آواز میں ایک ایک لفظ الگ کر کے بولا۔ لیکن وہ تو جیسے مثبت جواب کے آگے کچھ اور سن ہی نہیں رہی تھی۔

"پھر اپنے غیر تائب شدہ گناہوں کی سزا کاٹ کر تم جنت میں جاؤ گے۔" وہ قطعیت سے کہہ رہی تھی۔

وائل جواباً خاموش رہا۔ اسے اس بحس میں پڑنا ہی نہیں تھا۔

امیرہ کے پاس بھی اب بولنے کے لیے کچھ نہیں رہا تھا۔ پھر بھی وہ دونوں روبرو بیٹھے رہے۔ وہ ایک دوسرے کو نہیں دیکھ رہے تھے۔ دونوں ہی اپنی اپنی نظریں میز کے وسط میں ٹھہرائے اس سوچ میں گم تھے کہ دوسرا کیا سوچ رہا ہو گا۔

"اب میں ایک بات پوچھوں؟" بالآخر وائل نے خاموشی کو توڑا۔

"کیا؟" امیرہ نے سر اٹھا کے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"چائے کب سے بنا رہی ہو؟" چہرے پہ سنجیدگی عیاں تھی۔

"کافی عرصے سے۔کیوں....اچھی بنی ہے؟"

"بہت ہی اعلیٰ۔"

کیا وہ طنز کر رہا تھا؟ مگر لہجے سے طنز لگا تو نہیں تھا۔لیکن وہ طنز بھی اتنی سنجیدگی سے کرتا تھا کہ سامنے والے کو بہت دیر بعد سمجھ آتا تھا کہ وہ طنز کر کے گیا ہے۔

"اللہ خیر کرے۔"حرم اندر داخل ہوا تو وائل کے آگے پڑی پیالی دیکھ کے حیرت سے آنکھیں ہاتھوں سے مزید کھول کے دیکھیں۔

"دوا سمجھ کر پی ہے۔"

"حریم یہاں ہوتی تو خوشی سے زمین پہ نہ ٹکتی۔"

"اسی لیے وہ مصیبت یہاں نہیں ہے۔"وائل زیر لب بڑبڑایا تھا۔

"تمہیں لا کے دوں؟"امیرہ نے مروتاً پوچھا۔

"نیکی اور پوچھ پوچھ۔"

امیرہ اٹھ کے اس کے لیے چائے کی پیالی لینے چولہے کے پاس چلی گئی تو وہ وائل کی کرسی تک آیا۔

اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا تو اس نے بیزاری سے ابرو اٹھائیں۔اسے خواہ مخواہ ساتھ چپکنے والے لوگ انتہائی ناپسند تھے۔اور حرم کو بری عادت تھی سب کے کندھوں پہ بازو ٹکا کے ان سے مخاطب ہونے کی۔

وہ اس کے کان کے قریب جھکا اور شرارتی آواز میں سرگوشی کی۔

"امیرہ صحیح کہہ رہی تھی۔قسم سے سیٹھ مسکراتے ہوئے تم برے نہیں لگتے۔"

"بکواس مت کرو۔" برہمی سے کہتے ہوئے اس کا ہاتھ جھٹکا۔اور اٹھ کے باہر نکل گیا۔

وہ جاسوس نماز پڑھتے ہوئے بھی ان کی باتیں سن رہا تھا۔

امیرہ واپس آئی تو حرم نے اس کے ہاتھ سے پیالی لی اور گھونٹ بھرتے ہوئے وائل والی کرسی پہ بیٹھا۔

"یہ کیا ہے امیرہ؟" وہ بدمزگی سے تقریباً چلایا۔"تم اسے چائے کہتی ہو؟ چھی!" اس نے پیالی میز پہ پٹخنے والے انداز میں رکھی۔

"مانا کہ میں حریم جتنی اچھی چائے نہیں بناتی لیکن ایسے ناشکری مت کرو۔" وہ

واپس اپنی کرسی سنبھالتے ہوئے خاصی ناراض ہوئی۔

"پھر تم خود ہی پی کے شکر ادا کرو۔" حرم نے پیالی اس کی طرف کھسکائی۔

امیرہ نے اسے تنقیدی نظروں سے گھورتے گھونٹ بھرا اور اگلے لمحے اس کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔

"چھی!" اس نے بدقت قے پہ قابو پایا۔ وہ چائے نہیں، چائے کے نام پہ کلنک تھی۔

"گھر میں نمک وافر مقدار میں آ گیا تھا یا پھر چینی کی قلت ہو گئی تھی جو تم نے چائے میں چینی کی جگہ بھی نمک گھسیڑ دیا ہے۔" حرم نے ناگواری سے ناک ٹانگا۔

"یا پھر جبیل کو مضبوطی سے نہ باندھنے کا بدلہ لیا ہے تم نے مجھ سے؟"

امیرہ نے گہرا سانس لیتے اسے نظر انداز کیا۔

پھر جیسے خیال آیا تو دونوں کی گردنیں بے اختیار دروازے کی طرف گئیں جہاں سے وائل نکل کے باہر گیا تھا۔

پھر ان دونوں نے کی نظریں ہمہ وقت میز کے وسط میں رکھی پیالی تک گئیں۔

اس میں چائے کی ایک بوند تک نہیں بچی تھی۔

امیرہ نے نظریں چرائیں۔

(وہ شکایت کا ایک بھی لفظ کہے بغیر اس قدر بدمزہ چائے کیسے پی سکتا ہے؟)

پھر جیسے اسے اپنی چائے کی تعریف میں بولا گیا فقرا "بہت ہی اعلیٰ" یاد آیا تو وہ اندر تک سلگ گئی۔(وہ بدتمیز واقعی مجھ پہ طنز کر رہا تھا۔ہونہہ! اسے تو میں پوچھ لوں گی۔دوبارہ نظر آئے سہی۔)

کنکھیوں سے وہ حرم کی شیطانی نظریں خود پہ محسوس کر سکتی تھی۔اس کے چہرے پہ شرارتی مسکراہٹ سجی تھی۔

"کیا ہے؟" وہ اس کی نظروں سے زچ ہو کے برہمی سے بولی۔

"وہ چائے نہیں پیتا،اور تمہارے ہاتھ کی تو بدذائقہ چائے بھی پی گیا ہے،امیرہ۔ اسے میں کیا سمجھوں؟" اس نے انتہائی معصومیت سے پوچھا۔

"وہ ہرگز نہیں جو تم اس وقت سوچ رہے ہو۔ہمارے درمیان ایسا کچھ نہیں ہے۔" امیرہ کی آواز میں تنبیہ تھی۔جیسے کہہ رہی ہو یہیں خاموش ہو جاؤ۔

"کیسا؟"اس نے مزید معصومیت چہرے پہ سجائی۔

"اُف حرم۔جا کر لڈو کھیلو۔"وہ میز سے دونوں پیالیاں اٹھا کے چولہے کی طرف مڑ گئی۔

"لڑکی چڑ جائے تو سمجھو کچھ ہے۔"وہ اس کے پیچھے آیا۔

"میری طرف سے کچھ نہیں ہے۔"وہ برتن سمیٹتے بظاہر مصروف مگر سپاٹ لہجے میں بولی۔

"اس کی طرف سے تو ہے نا۔"

اس کی بات پہ امیرہ کے تیزی سے کام کرتے ہاتھ رک گئے۔گردن موڑ کے حرم کو دیکھا۔آنکھوں میں الجھن واضح تھی۔

www.novelsclubb.com

"تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے، حرم۔اس کی طرف سے بھی ایسا کچھ نہیں ہے۔"

"ہے۔کیونکہ اگر نہیں ہوتا تو اب تک تم اس دنیا فانی سے کوچ کر چکی ہوتیں۔"اس کے لہجے میں اب سنجیدگی در آئی تھی۔"بھول گئیں، تم نے اس کا گال ٹماٹر لال کیا تھا۔تم نے امیرہ بنتِ آدم (انگشت شہادت سے اس کی طرف اشارہ کیا) بیس

بچوں اور دو مردوں کی موجودگی میں اسے تھپڑ مارا تھا۔ لیکن اس نے کچھ نہیں کیا۔ وہ خود پر ایک خراش برداشت نہیں کرتا اور تمہاری پانچ انگلیوں کے ماشااللہ سے نشان تھے اس کے گال پہ۔ لیکن اس نے کوئی ردِ عمل نہیں دیا۔ کیوں؟"

"وہ اس لیے کیونکہ اسے کچھ یاد ہی نہیں ہے۔ اگر ہوتا تو میرا جنازہ پڑھے تم لوگوں کو واقعی پانچ ماہ گزر چکے ہوتے۔"

"اسے سب یاد ہے۔ جھوٹ بولتا ہے وہ کہ اسے کچھ یاد نہیں ہے۔" حرم نے ہاتھ جھلا کے مضبوط لہجے میں اس کے اندازے کی تردید کی۔

"اسے یاد نہیں ہے، حرم۔ وہ ہوش میں نہیں تھا اس دن۔" امیرہ نے ایک ایک لفظ علیحدہ کر کے ادا کیا۔

www.novelsclubb.com

"میں پوچھوں گا اس سے۔"

"ہرگز نہیں۔" امیرہ نے فوراً سختی سے اس کے اس ارادہ کی مزاحمت کی۔

"اسے یاد آ گیا تو وہ...."

"تمہیں کچھ نہیں کہے گا۔" حرم نے شرارت سے بات کاٹی۔

"اُف۔میرا دماغ کھانا بند کرو اور جا کے سو جاؤ۔"امیرہ نے برتن لکڑی کے تختے پہ پٹخے تو حرم نے مدافعانہ انداز میں دونوں ہاتھ اٹھا دیئے۔

"جا رہا ہوں شہزادی، جا رہا ہوں۔"

لیکن وہ گیا نہیں۔دروازے تک جا کے واپس پلٹا۔"اور جو چائے بچی ہے اسے پھینک دینا۔حریم نے چکھ لی تو کہیں صدمے سے اس کی موت ہی نہ واقع ہو جائے۔"

"تم جاتے ہو یا میں...."امیرہ نے کفگیر اوپر کر کے اسے دکھایا۔

"جا رہا ہوں۔"وہ دروازے کے پیچھے گم ہو گیا تو وہ واپس کام میں مصروف ہو گئی۔

www.novelsclubb.com

"ویسے میں پہلے نہیں کہہ سکا...."دوبارہ اس کی آواز کانوں سے ٹکرائی تو امیرہ نے تھکا ہوا سا سانس لیا۔

(ڈھٹائی کی بھی حد ہوتی ہے!)

آنکھ کے کنارے سے وہ اسے دروازے کی اوٹ سے اندر جھانکتا دیکھ سکتی تھی۔

"اس تھپڑ کے لیے مجھے تم پہ فخر ہے، شہزادی۔ سیٹھ ایک سو ایک فیصد اس تھپڑ کا مستحق تھا۔ جو حرکت اس نے کی تھی اس کے بعد صرف ایک نہیں بیس تھپڑ پڑنے چاہئیں تھے اسے۔"

وہ اپنی کہہ کر چلا گیا تو امیرہ نے گردن اٹھا کے دروازے کی طرف خالی سی نظروں سے دیکھا۔ حرم اسے شہزادی کہتا تھا تو اسے سمر یاد آتا تھا۔ گئے وقتوں میں وہ بھی اسے شہزادی کے نام سے بلایا کرتا تھا۔

نجانے وہ شہزادہ اب کہاں تھا؟ تھا بھی، یا نہیں۔

یہ امکان سوچ کے اس کا دل کانپا تھا۔ شاید آنکھ کے کنارے نمی بھی ابھری تھی۔

www.novelsclubb.com

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

دس دن بعد (رمضان کے آخری عشرے کا وسط)

قلبلار۔

بادل آلود آسمان پہ نیم چمکتے سورج کا رجوع اُفق کی طرف ہونے لگا تو قلبلار کے

بازاروں اور دکانوں میں بھی رش بڑھ سا گیا۔ یہ شہر روشنیوں کا شہر کہلاتا تھا۔ یہاں سورج ڈھلنے کے بعد بھی ہلچل مچی رہتی تھی۔ بلکہ کثیر سرگرمیاں رات کے وقت ہی عمل میں آتی تھیں۔

علینہ نے طبیب خانے کی سفید عمارت سے نکل کے غزال کا رُخ کیا تو اس کے اندر ایک عجیب سے احساس نے پھنک ماری۔ اس نے پیچھے مڑ کے دیکھا۔ بظاہر کچھ بھی غیر معمولی نظروں میں نہیں آیا۔

شاید اس کا وہم تھا۔ سر جھٹک کے اس نے ایک پتلی گلی کا رُخ کیا۔ وہ گلی کے دہانے پہ موجود موڑ مڑنے لگی تو کسی نے اپنا پاؤں آگے رکھا۔ علینہ ٹھوکر کھا کے تھیلے سمیت بری طرح سے زمین پہ جا گری۔ دوائیوں کی ننھی بوتلیں اور دیگر چیزیں مٹیالی زمین پہ بکھر گئیں۔

اس نے سر اٹھا کے دیکھا تو نظر میں وہی جوتے والا پاؤں آیا جو اس کے آگے رکھ کے اسے پھینکا گیا تھا۔ اس نے دھیرے سے گردن اوپر اٹھائی۔

آدمی کا چہرہ واضح ہوا۔ اس کے پیچھے چار اور بھی لمبے چوڑے لڑکے کھڑے

تھے۔ان سب کو دیکھ کے علینہ کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا سانس نیچے ہی رہ گیا۔

وہ لوگ وہی تھی، جن کی وجہ سے چھ ماہ پہلے غزال میں تماشا لگا تھا۔ جنہیں وائل نے بری طرح پیٹا تھا۔ قاضی کا بیٹا، اور اس کے آوارہ دوست۔

"تمہیں کیا لگا اس عفریت کی حرکت کے بعد ہم اس کی پیاری اور معصوم سی ملازمہ کو ایسے ہی چھوڑ دیں گے؟" وہ تضحیک سے بولا تو اس کے سارے دوستوں نے بابلند قہقہے لگائے۔

علینہ نے گردن ادھر اُدھر گھما کے دیکھا۔خدایا کہیں کوئی نظر آجائے.... مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔

اس گلی میں ان کے علاوہ وہ اکیلی تھی۔اسے اپنا گلہ سوکھتا ہوا محسوس ہوا۔

اس نے زبان پھیر کے خشک ہونٹ تر کیے اور بے بسی سے بولی۔

"اس نے جو کیا، اس کے لیے میں آپ سے معافی مانگتی ہوں۔آپ مجھے...."

"تو مانگو۔" اس نے استہزائیہ انداز میں کہتے ہوئے اپنا پاؤں اس کے سامنے ہوا میں لہرایا۔"پاؤں پکڑ کے گڑگڑاؤ کہ مجھے معاف کر دو۔"

علینہ نے بہت سارا تھوک اندر نگل کے اسے خالی آنکھوں سے دیکھا۔اس شخص سے رحم کی توقع کرنا بیوقوفی تھی۔

"نہیں مانگو گی؟"اس نے کمینگی سے قہقہہ لگایا۔پھر وہ نیچے جھکا اور اسے بالوں سے پکڑ کے ایک جھٹکا دیا۔

علینہ درد سے کراہی۔

"تمہاری وجہ سے اتنے لوگوں کے سامنے میری بے عزتی ہوئی تھی۔تم نے کیا سوچا میں ایسے ہی جانے دوں گا تمہیں؟"وہ دانت پہ دانت جمائے کہہ رہا تھا۔

"میں تمہارے اس خوبصورت چہرے کو کسی کے دیکھنے کے لائق نہیں چھوڑوں گا۔"

www.novelsclubb.com

اس نے ہتھیلی پھیلائی تو پیچھے کھڑے لڑکوں میں سے ایک نے ایک اوسط درجے کی بوتل جس کا ڈھکن اترا ہوا تھا،اس کے ہاتھ پہ رکھ دی۔

علینہ کو یکدم ٹھنڈی لہریں اپنی پشت پہ رینگتی ہوئی محسوس ہوئیں۔اس کا گلہ مزید خشک ہوا۔بوتل کے اندر موجود مادے کے رنگ اور فطرت سے وہ بتا سکتی

تھی کہ وہ تیزاب تھا۔

وہ بوتل اس کے چہرے کے قریب لے کر آیا۔

علینہ نے بے دھڑک چلانا شروع کر دیا۔

اس کی چیخ و پکار پہ پیچھے کھڑے لڑکوں کے قہقہے فضا میں بلند ہوئے۔

اس نے بوتل الٹانے کے لیے ذرا سی ترچھی کی اور اگلے لمحے بائیں جانب سے اڑتا ہوا ایک لوہے کا چمکدار تھرموس اس کے سر سے ٹکرایا۔ وہ بے اختیار پسلی کے بل زمین پہ جا گرا۔

شیشے کی بوتل اس کے ہاتھ سے چھوٹ کے ذرا فاصلے پہ گری اور کرچی کرچی ہو گئی۔ علینہ جلد سی اٹھی۔ اس کے سامنے کھڑے لڑکے بھی اتنے ہی حیران تھے جتنی کے وہ خود۔

"شکر مناؤ تم کہ میرے ہاتھ میں آج کوئی ہتھیار نہیں تھا۔" حریم دھاڑتی ہوئی دائیں جانب سے نمودار ہوئی اور جھک کے اپنا چائے کا تھرموس اٹھایا۔

"حریم تمہیں کیسے پتہ چلا؟" علینہ نے رندھی سی آواز میں پوچھا۔

"مجھے ہمیشہ سے معلوم تھا کہ یہ لوگ دوبارہ تمہارے پیچھے ضرور آئیں گے۔ کیونکہ کتے جہاں گوشت دیکھتے ہیں، وہاں منہ مارنا ان کی فطرت میں ہوتا ہے۔" اس نے نفرت آمیز نظروں سے باری باری ان پانچوں کو دیکھا۔

"تم وہی ہو نا جس نے ماضی میں مجھ پہ چائے گرائی تھی؟" قاضی کا بیٹا اپنے سر کو مسلتا، زمین سے اٹھتے ہوئے غرایا۔

"غلط۔ میں وہ ہوں جو زمانہِ حال میں تم پہ قہوہ گرانے والی ہے۔" ریم نے جھٹ سے تھرموس کا ڈھکن کھولا اور پوری قوت سے کے اس کے چہرے پہ اچھال دیا۔

"آہ۔" وہ چیخا۔ منہ سے دو چار گالیاں خارج ہوئیں۔

علینہ نے بے اختیار اپنا ماتھا چھوا۔ حریم مسئلہ سلجھانے کے بجائے مسئلہ بگاڑنے میں ماہر تھی۔

"چلو یہاں سے۔" برہمی سے اس کا ہاتھ پکڑ کے اسے وہاں سے لے جانا چاہا۔

"ایسے کیسے؟" قاضی کے بیٹے نے رمال سے اپنا چہرہ صاف کرتے ہوئے اپنے دوستوں کو اشارہ کیا۔ ان چاروں نے ان کے گرد گیرا تان لیا۔

قاضی کا بیٹا آگے بڑھا اور دائیاں ہاتھ سے حریم کا گریبان پکڑا۔

حریم نے ہاتھ میں پکڑا تھرموس اس کے سر پہ مارنا چاہا۔اس نے بائیاں ہاتھ اوپر کر کے روک لیا۔تھرموس اس کے ہاتھ سے چھین کے پیچھے کھڑے اپنے دوست کو پکڑایا۔

"میں تمہاری جان لے لوں گی۔مجھے چھوڑ وغلیظ انسان۔"وہ ایڑیوں پہ کھڑی ہو کے کوفت سے چلاتے ہوئے دونوں ہاتھوں سے مزاحمت کی کوشش کر رہی تھی۔

اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس نے دائیں ہاتھ کے ناخنوں سے اس کا منہ نوچ ڈالا۔اس کے چہرے پہ جگہ جگہ سے مدھم مدھم ساخون پھوٹا تھا۔علینہ نے گھبراہٹ سے آنکھیں بند کیں۔

www.novelsclubb.com

حریم کے ناخن چھریوں کی طرح تیز تھے۔وہ جب بھی کسی کو اپنے ناخنوں سے خرونچتی،یوں لگتا کسی تیز دھار ہتھیار کا استعمال ہوا ہے۔

قاضی کے بیٹے نے ایک لمحے میں اس کی قمر پہ جھولتی اونچی پونی کو کس کے پکڑا۔اور ہاتھ پہ لپیٹا۔حریم پاگلوں کی طرح چلا رہی تھی۔وہ ساتھ میں اسے گالیوں سے

بھی نوازرہی تھی۔

"ایک چھوٹی سی لڑکی میری جان لے گی؟ بہت بہادر سمجھتی ہو خود کو؟" وہ استہزائیہ انداز میں بول رہا تھا۔ "تمہیں لگتا ہے اُس وائل بِن آدم کی پلٹن کا حصہ ہو تو تم ناقابلِ تسخیر ہو۔ کیا کہتے ہو تم لوگ کہ وہ تمہاری جائے امان ہے؟ ہونہہ.... اگر ایسا ہے تو پھر ابھی تک آیا کیوں نہیں اپنے قیمتی اثاثوں کو بچانے؟ آہ....!!" بولتے بولتے قاضی کے بیٹے کے منہ سے ایک چیخ باہر نکلی۔ وہ حریم کو چھوڑ کے اپنے ماتھے پہ ہاتھ رکھے افراتفری کے عالم میں نظر ادھر اُدھر دوڑانے لگا۔

"کیا ہوا ہے رئیس؟" پیچھے کھڑے اس کے دوستوں میں سے ایک نے آگے بڑھتے ہوئے فکر مندی سے پوچھا۔

اس نے ماتھے سے ہاتھ ہٹایا۔ نیچے خون کی ایک دھار بہتی دکھائی دی۔ یوں جیسے کوئی نوکیلی چیز وہاں کبھی ہو۔ علینہ نے ایک تیز نظر نیچے زمین پہ دوڑائی۔ اسے ایک انتہائی چھوٹا نوکیلا کنکر نظر آیا جو خون سے رنگا تھا۔

"شیطان کا نام نہیں لینا چاہیے تھا۔" حریم نے مسکراتے ہوئے افسوس سے چچ کیا۔ "دیکھو.... ہو گیا ناوہ حاضر۔"

"ڈھونڈو اس عفریت کو۔" رئیس چلایا۔

مگر آنے والے کچھ لمحے گلی میں ان پانچوں کی چیخ و پکار کے علاوہ کچھ سنائی نہ دیا۔ ان سب پہ مختلف سمتوں سے کنکروں کے نشانے باندھے جا رہے تھے۔ نوکیلے پتھر ان کو آہستگی سے لہولہان کر رہے تھے۔

ان سمیت علینہ اور حریم بھی گردن اطراف میں دوڑا کے نشانہ باز کے موجودہ مقام کا اندازہ لگانے کی کوشش کرتی رہیں۔ لیکن جسے وہ سب ڈھونڈ رہے تھے، وہ کوئی عام نشانہ باز نہیں تھا۔ وہ وائل بِن آدم تھا۔ اس کے لیے خود کو پوشیدہ رکھنا بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔

ایک نہ دکھنے والے حملہ آور سے یک طرفہ لڑائی کرنے کے بعد تھک ہار کے وہ سب باری باری وہاں سے نکل لیے۔ حریم نے ان سب کی بے بسی پہ پیچھے سے با بلند و بالا آواز میں قہقہے لگائے۔ پھر جیسے اسے کچھ یاد آیا۔ تو وہ ان کے پیچھے لپکی۔

"منحوسو میرا تھرموس تو واپس کر کے جاؤ!"

یکایک علینہ کے پیچھے جست لگانے کی آہٹ ہوئی تو وہ پلٹی۔ وہ ساتھ والے گھر کے چھت سے کودا تھا۔ پھر وہ اٹھ کے سیدھا ہوا اور ہاتھ میں پکڑی گلیل کو لپیٹنے لگا۔

"ہاتھوں سے معذور ہو یا پھر عقل سے پیدل ہو جو خود ان سے نمٹ نہیں سکتی تھیں؟"

علینہ اس کی جلی کٹی باتیں سننے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی تھی۔ وہ جلدی سے زمین پہ جھکی اور تیزی سے اپنا سامان سمیٹ کے تھیلے میں ڈالنے لگی۔

وہ ایک ہی سر میں کہتا چلا جا رہا تھا۔

"ان کے پاس تیزاب تھا تو تمہارے پاس بھی تو تھا۔ تھوڑا تھوڑا سب پہ گراتیں اور چھ ماہ پہلے ہوئی اپنی بے عزتی کا بدلہ لے لیتیں۔"

سارا سامان اٹھا کے وہ اٹھی۔

"موقع بھی تھا اور ہتھیار بھی۔ مگر تم نے...." اس کی وہاں موجودگی کو نظر

انداز کرتے جب اس کے پاس سے گزری تو وائل نے اسے کلائی سے پکڑ کے ایک جھٹکے میں اپنے سامنے کیا۔پہلے اس کی آنکھیں ہر قسم کے تاثر سے خالی تھیں۔ مگر اب وہاں غصے، کوفت، ملامت، مایوسی جیسے بہت سارے تاثرات بیک وقت تھے۔

"تم نے میرا ہاتھ پکڑا ہے۔مجھے درد ہو رہا ہے، وائل۔"

وائل نے اسے سنا۔ سمجھا۔اور پھر اس کی کلائی کو مزید کس کے پکڑا۔

"تم نے خود کے لیے کبھی نہ لڑنے کی قسم کھا رکھی ہے؟ یا پھر ساری زندگی اس گھٹیا شخص کے دیئے گئے دھوکے کا سوگ منانے کا ارادہ ہے؟"

گھٹیا شخص۔ محض اس ذکر پہ علینہ کا دل کٹ گیا۔

"آخر کب تک خود کو اس کے نام وقف کرو گی، علینہ؟ کوئی عزت نفس کوئی خود داری ہے یا نہیں تم میں؟"

اس کی تلخ باتیں سن کے دل سے خون رسنے لگا تھا۔

علینہ نے ایک نظر اس کے ہاتھ میں مقید اپنے ہاتھ کو دیکھا۔پھر پلکیں اٹھا کے اسے۔وہ اس کے بولنے کے انتظار میں تھا۔ہمیشہ کی طرح آج بھی اسے مایوسی ملنے

والی تھی۔

"تم نے گلیل کا استعمال کب سے شروع کر دیا، وائل؟"

"تم نا جہنم رسید ہو جاؤ علینہ بنتِ عامر۔" اس نے جارحانہ انداز میں اس کی کلائی چھوڑی۔ "تم سے بات کرنے سے بہتر ہے بندہ کسی دیوار کے ساتھ اپنا سر پیٹ لے۔"

علینہ نے بولنے کے لیے لب کھولے۔ مگر اس سے کچھ بولا نہیں گیا۔ آنکھوں میں یکدم نمی تیرنے لگی۔ سامنے کھڑے ناراض نظر آتے لڑکے کا چہرہ دھندلا گیا۔

وائل نے ضبط سے دانت اتنے زور سے کچکچائے کہ آواز واضح سنائی دی تھی۔

"جس کھائی، جس پہاڑ سے جا کے کودنا ہے، کود دو۔ لیکن میرے سامنے یہ آنسوں مت بہانا۔" انگشت شہادت دکھا کے غصے سے تنبیہ کی۔ "نفرت ہے مجھے ان لوگوں سے جو دوسروں کے آگے آنسوں بہا کے اپنے دکھوں کا اشتہار لگاتے ہیں۔"

وہ اس کے آنکھوں میں امڈنے والے آنسوں دیکھ کے کوفت کھا رہا تھا۔ وہ کہاں

جانتا تھا کہ سارا مسئلہ ہی یہی تھا۔علینہ بنتِ عامر کے آنسوں بہتے ہی تو نہیں تھے۔ سالوں سے بس آنکھوں میں ٹھہرے تھے۔کسی غلطی کی سزا کی بن کر۔کسی گناہ کی پاداش بن کر۔

وہ آگے بڑھ گئی۔آنسوں بھی اپنے ٹھکانے واپس چلے گئے۔

"لیکن ایک بات اپنے دماغ میں بٹھالو علینہ...."عقب میں اس کی آواز گونجی۔ لہجہ اب بھی برہم تھا۔"ہر مرتبہ میں یا ریم تمہیں بچانے نہیں آئیں گے۔خود اپنی حفاظت کرنا سیکھو۔ورنہ یہ شہر اور یہاں کے گدھ تمہیں نوچ کھائیں گے۔"

علینہ نے رک کے اس کی پوری بات سنی اور پھر آہستہ آواز میں بڑبڑائی۔"سب سے بڑے گدھ تو تم خود ہو وائل۔اور بات کر رہے ہو دوسروں کی۔"

"اور تم اس دنیا کی سب سے بڑی احمق ہو۔ہمیشہ رہو گی۔"

وہ سر جھٹک کے آگے بڑھ گئی۔

"علینہ میری بات سن کے جاؤ۔"ریم نے پیچھے سے بے ترتیب سانسوں کے درمیان کہا مگر وہ نہیں رکی۔

"جانے دو اسے ریم۔ کبھی کبھار انسان کو نصیحت کی نہیں، تنہائی کی ضرورت ہوتی ہے۔"

"اور یہ بات تمہیں تھوڑی دیر پہلے خود اسے نصیحت کرتے ہوئے یاد نہیں آئی؟"

"نہیں۔ یادداشت کمزور ہے میری۔"

"میرا مشورہ ہے بادام کھایا کرو۔"

"جیسے تم کھاتی ہو؟"

"بالکل۔"

"اور اس کے باوجود تمہاری یادداشت نمک کے زرے کے برابر ہے۔"

وہ گلی کے موڑ پہ تھی جب یہ آخری تبصرہ سننے کو ملا۔ اس کے بعد ان دونوں کی آوازیں گم ہو گئیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

قلبلار۔

جھیل اندر سے روشن اور چمکدار تھی۔زندگی اور امید سے بھرپور۔ڈھلتے سورج کی کرنوں نے پانی کے نیچے بھی اپنا بصیرہ کرر کھا تھا۔زندگی وہاں بھی موجود تھی جہاں موت تھی۔جینے کی کوئی خواہش، کوئی تمنا بس نہیں تھی تو علینہ بنتِ عامر کے اندر نہیں تھی۔

اس کی عرصہ ہوئی مردہ آنکھوں کے سامنے پانی میں مختلف منظر ابھر کے ڈوب رہے تھے۔

"ہم دونوں ایک دوسرے کے لیے بنے ہیں۔دیکھو تمہارے نام میں بھی میرا نام آتا ہے۔میرے بغیر تم ادھوری ہو،علینہ۔"

پھیپھڑے ہوا کے لیے تڑپ رہے تھے۔مگر وہ بے اعتنائی برتتی رہی۔وہ مرنا چاہتی تھی۔اپنی اذیت کو ختم کر دینا چاہتی تھی۔اسے اس پچھتاووں بھری ذلت آمیز زندگی سے فرار چاہیے تھی۔

"تمہارے گھر والے ہمارے لیے کبھی نہیں مانیں گے،علینہ۔ہمارے سماجی رتبے میں زمین آسمان کا فرق ہے۔تم سے محبت کر کے مجھ سے بہت بڑی غلطی ہو

گئی ہے۔ ہمیں اتنا آگے نہیں آنا چاہیے تھا۔"

جھیل کا کڑوا ذائقہ منہ کے راستے حلق سے ہوتا ہوا اندر تک گھل رہا تھا۔ لمحہ بہ لمحہ پانی اس کے پھیپھڑوں کو بھرنے لگا تھا۔

"علینہ بنتِ عامر کیا آپ کو علی بِن انور کے ساتھ بحق مہر چار سو چالیس درہم سکہ رائج الوقت یہ نکاح قبول ہے؟"

"قبول ہے۔ قبول ہے۔ قبول ہے۔"

وہ پانی تلے موجود تھی لیکن اس کے سینے میں جیسے آگ لگی ہوئی تھی۔ ہر سانس سنگین۔ ہر دھڑکن دشوار۔

"ابھی بھی دیر نہیں ہوئی ہے۔ جہاں سے آئی ہو، وہاں واپس چلی جاؤ۔ کیونکہ آگے صرف پچھتاوا ہے۔"

زندگی کے لیے بے تاب جسم خودکشی کے ارادوں کے ساتھ جدوجہد میں مگن تھا۔ مگر قوی خودکش ارادے زندگی کی ماند تڑپ پہ بھاری تھے۔

"تم نے دو گواہان کی موجودگی میں مجھ سے نکاح کیا ہے، علی۔ تم مجھے یہاں

چھوڑ کے نہیں جا سکتے...."

"کون سے گواہان اور کہاں کا نکاح؟ جو لڑکی میرے لیے اپنے ماں باپ کو چھوڑ سکتی ہے۔ وہ کل کو کسی اور کے لیے مجھے بھی چھوڑ دے گی۔"

پانی اسے مزید گہرائیوں میں گھسیٹ رہا تھا۔ یوں کہ اب جسم کی ہر حرکت بھاری اور سست تھی۔ گویا جھیل اس کے ارادوں کو بھانپ گئی ہو اور انہیں سفل بنانے میں امداد فراہم کر رہی ہو۔

"تم اس وقت غصے میں ہو علی...."

"میں نہیں ہوں۔ میں علی بن انور اپنے پورے ہوش و حواس میں علینہ بنتِ عامر تمہیں طلاق دے رہا ہوں۔"

www.novelsclubb.com

پانی میں ڈوبتی مردہ آنکھوں کی بصارت اب دھندلا چکی تھی۔ اس کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ اب صرف آوازیں رہ گئی تھیں۔

"خدا کا قہر نازل ہو تم پر وائل بن آدم۔ میں نے تمہاری مدد کی اور اس کے صلے میں تم مجھے خرید رہے ہو؟"

"میں تمہاری آزادی خرید رہا ہوں۔"

جسم کی توانائی تیزی سے ختم ہو رہی تھی۔ جھیل کی زمین جیسے کسی ڈور کے ذریعے اسے اپنی طرف کھینچ رہی تھی۔

"وہ میرے ساتھ ایسا کیسے کر سکتا ہے؟ اتنا بڑا دھوکا کیسے دے سکتا ہے؟"

"وہ دھوکے باز نہیں تھا۔ تم بیوقوف تھیں۔ اور ساری زندگی بیوقوف ہی رہو گی۔"

ماضی کے خیالات، یادیں، پچھتاوے.... سب دماغ کے پردے پہ گڈمڈ سے ابھر رہے تھے۔

"میں سمجھتی تھی وہ مجھ سے غیر مشروط محبت کرتا ہے۔"

"غیر مشروط محبت صرف کہانیوں میں ہوتی ہے۔ حقیقی زندگی میں اسے تلاش کرنا حماقت ہے۔ اور تم اس دنیا کی سب سے بڑی احمق ہو۔"

اس کے منہ سے پانی کے بلبلے ایسے پھوٹ رہے تھے جیسے زندگی کے لیے کاوشیں کرتے جسم کی چند آخری باقیات ہوں۔ جن کے بعد مکمل سکوت چھا جانا

تھا۔

"مجھ پر اتنا پیسہ خرچ کر کے یوں ہی جانے دے رہے ہو؟"

"کسی کی بد دعا لگی ہے مجھے جو انسانیت کے کیڑے نے کاٹ لیا ہے۔ ورنہ کسی پر اپنا پیسہ اور وقت سرف کرنے کے بعد اسے کہیں جانے نہیں دیتا۔"

اس کے گرد پانی کے نیچے کی دنیا بے ترتیب چکروں میں گھوم رہی تھی۔ وہ اب تازہ ہوا کے کیے ہانپ رہی تھی۔ مگر حلق اور پھیپھڑے پانی سے بھر چکے تھے۔

"آخر کب تک خود کو اس کے نام وقف کرو گی، علینہ؟ کوئی عزتِ نفس، کوئی خودداری ہے یا نہیں تم میں؟"

دم گھٹ رہا تھا....

ایک جھٹکے میں اس نے آنکھیں کھولیں۔

بزدل بن کے اپنے جسم کو اوپر کھینچنا چاہا ہی تھا کہ اسے دور کہیں.... سفید لباس میں ملبوس وجود پانی کو دونوں بازوؤں سے چیر کے اپنی طرف آتا دکھائی دیا۔

کیا وہ موت کا فرشتہ تھا؟ کیا وہ بالآخر اپنی جان لینے میں کامیاب ہو گئی تھی؟ کیا

www.novelsclubb.com

اس کی مرنے کی خواہش اس کی بزدلی پہ غالب آگئی تھی؟

مگر موت کا فرشتہ سفید لباس میں کیوں ملبوس تھا؟اس نے تو زندگی میں کوئی ایسا کام نہیں کیا تھا جو وہ اپنے خوشگوار روپ میں اس کی روح نکالنے آتا۔موت کا فرشتہ قریب پہنچا۔بازو آگے بڑھا کے علینہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھاما۔

دم گھٹ چکا تھا....

اس کی آنکھیں سستی سے بند ہو گئیں۔جیسے نیند نے اسے آن لیا ہو۔

ہر طرف اب خالی پن تھا۔گہرا اندھیرا تھا۔کوئی آواز،کوئی آہٹ،کچھ نہ تھا۔

موت اسے اپنی سمت مقناطیس کی طرح کھینچ رہی تھی۔

زندگی ختم ہو رہی تھی....زندگی ختم ہو چکی تھی۔

کیا روح ایسے نکلتی ہے؟

باوجود ہونے سے بے وجود ہونے تک کا سفر ایسا ہوتا ہے؟

اتنا آسان....؟؟

یکدم اس کے سینے پہ بہت سارا بوجھ پڑا۔اسے اپنے جسم کی ساری رگوں میں

خون کی گردش بڑھتی محسوس ہوئی۔

"علینہ ہوش میں آؤ۔" گالوں پہ کسی کے لمس کا احساس....

سینے پہ دباؤ بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ بہت سارا پانی جیسا جبراً حلق سے اوپر اٹھ رہا تھا۔

"علینہ!" کوئی اس کے گال تھپکا کے اس کا نام چلا رہا تھا۔

یکا یک اسے اچھو ہوا اور بہت سارا پانی منہ سے کسی پھوار کی مانند باہر نکلا۔ وہ فوراً اٹھا کے بیٹھی۔ گردن میکانکی انداز میں ادھر سے اُدھر گھومی۔ وہ جھیل کے کنارے بیٹھی تھی۔

اس کے بغل میں دو زانوں بیٹھے سفید کرتے پاجامے میں ملبوس لڑکے نے اسے ہوش میں آتا دیکھ کے سکھ کا سانس لیا تھا۔

www.novelsclubb.com

گردن بے ساختہ اس کی طرف مڑی۔ وہ اسے دیکھ کے بدقت پھیکا سا مسکرایا۔

لیکن علینہ کو اس لمحے اس سے شدید نفرت محسوس ہوئی تھی۔

وہ اسے مخاطب کیے بغیر اٹھی اور ایک مرتبہ پھر جھیل کی جانب بڑھی۔

"پاگل ہو گئی ہو؟" اس نے اسے بازو سے پکڑے قدرے غصے سے جھنجوڑا۔

"چھوڑو میرا ہاتھ۔"علینہ نے ایک جھٹکے میں اپنی کلائی اس کے ہاتھ سے چھڑوائی۔اور قدم آگے بڑھائے۔

وہ پلک جھپکنے کی دیر میں اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

"مجھے لگا تھا میری باتوں کا تم پہ کوئی اثر ہوا ہے، مگر تم آج بھی اسی مقام پہ کھڑی ہو جہاں چھ ماہ پہلے کھڑی تھی۔آخر کیوں جینے کی کوئی آرزو، کوئی خواہش نہیں ہے تمہارے اندر؟"وہ کمال ضبط کا مظاہرہ کرتے ہوئے سوال کر رہا تھا۔

"میں تمہیں جواب دہ نہیں ہوں، زین۔"اس نے اسے پرے دھکیلا۔

"میں تمہیں مرنے نہیں دوں گا۔"وہ پُر عزم لہجے میں کہتا کسی دیوار کی طرح واپس اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

www.novelsclubb.com

"مجھے نہیں جینی یہ زندگی۔مجھے مرنے دو۔"اس نے چلاتے ہوئے مزاحمت کی۔

"علینہ بنتِ عامر، ہوش کے ناخن لو۔"اس نے اس کی دونوں کلائیوں کو اپنے ہاتھوں کی گرفت میں لیتے ہوئے جھٹکا دیا تو وہ اپنی جگہ تھم گئی۔

"خودکشی راہِ فرار نہیں ہے...." آواز لحظے بھر کے لیے کانپی تھی۔"خودکشی سراسر ایک عذاب ہے۔اپنی آخرت کو اس عذاب کی نذر مت کرو۔اس عارضی دنیا کا کوئی دکھ، کوئی درد، کوئی روگ اس قابل نہیں کہ انسان اس کے لیے اپنی آخرت برباد کرلے۔آج تم خودکشی کرو گی۔چند لوگ تمہارے لیے آنسوں بہائیں گے اور پھر وہ تمہیں دفنا دیں گے۔اس کے بعد تم اکیلی رہ جاؤ گی۔ہر طرف اندھیرا ہو گا۔گہرا اندھیرا۔"

اس کی آواز میں عجیب قسم کی بے قراری تھی۔

"اس اندھیرے میں تمہاری آنکھیں روشنی کی کوئی کرن تلاش کریں گی مگر وہ تمہیں نہیں ملے گی۔کیونکہ موت کے بعد کسی بھی چیز کی تلاش لاحاصل ہوتی ہے۔قبر میں صرف عذاب ہوتا ہے۔اور ڈھیر سارا پچھتاوا۔ابھی بھی کچھ نہیں بگڑا علینہ.... سنبھل جاؤ۔کیونکہ تم جو اپنے ساتھ کر رہی ہو نا وہ غلط ہے۔"

علینہ نظریں زمین پہ جھکائے اسے سن رہی تھی۔

یہ وہ نرم گفتار زین نہیں تھا جو اس سے اوپر بنے لکڑی کے پل پہ ملا تھا۔اُس زین

کا لہجہ نرم تھا۔اِس زین کا لہجہ بے قرار اور اتھلا سا تھا۔ جیسے اسے سانس لینے میں دشواری ہو رہی ہو۔

"جو راستہ ابھی تمہیں آسان لگ رہا ہے، آگے چل کے اس پہ صرف کانٹے ہوں گے۔ابھی بھی کہہ رہا ہوں.... اپنی راہ بدل لو علینہ، کہیں بہت دیر نہ ہو جائے۔" وہ اس کے آگے التجائیں کر رہا تھا۔"کوئی غلطی سرزد ہو گئی ہے تو اس کی معافی مانگ لو۔ کوئی گناہ کر بیٹھی ہو تو، اللہ سے توبہ کر لو۔ وہ مہربان ترین ہے۔ تم سے بہت محبت کرتا ہے۔ خلوصِ دل سے کی گئی تمہاری سچی توبہ پہ تمہیں معاف کر دے گا۔ کچھ کھو گیا ہے تو اس کا ثانی تلاش کر لو۔اس دنیا میں ہر چیز کا ثانی موجود ہے۔اللہ سے دعا کرو تو وہ تمہیں اس سے بڑھ کے عطا کرے گا جو تم سے کھو گیا ہے۔جب متبادل اللہ کی طرف سے آئے گا تو پھر تم اسے بھول جاؤ گی جو کھویا ہے...."

"زین بِن ظفر۔"

وہ جو روانی سے کہتا چلا جا رہا تھا اس کی زخم سے چور آواز میں اپنا نام سن کے یکدم سکتے میں چلا گیا۔مانوں جیسے منہ میں زبان ہی نہیں۔

علینہ نے گیلی پلکیں اٹھا کے زخمی نظروں سے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

اس لمحے زین بِن ظفر پہ یہ انکشاف ہوا تھا کہ وہ اس لڑکی کے بارے میں غلط تھا۔

اسے لگا تھا اس کی آنکھیں ویران تھیں۔غلط لگا تھا۔

اس کی بنفشی آنکھیں واضح نظر آنے والی ویرانی کے پیچھے آنسوؤں کا ایک دریا اپنے اندر سموئے ہوئے تھیں۔اس دریا کو بہہ جانا چاہیے تھا۔وہ ایک ایسا روگ اپنے اندر لیے بیٹھی تھی، جو اسے دیمک کی طرح دھیرے دھیرے نگل رہا تھا۔

شاید اس کے پاس دکھ بانٹنے والا کوئی ہمدرد.... کوئی غم خوار نہیں تھا۔زین کو حق ہوتا تو وہ اس کی تمام تر تکلیفیں ہنسی خوشی اپنے اندر اتار لیتا۔

"دوبارہ مجھے خودکشی کرتے دیکھو.... تو بچانے مت آنا۔" آواز میں سختی، ناراضی، تیکھا پن.... ایسا کچھ بھی نہیں تھا۔صرف افسردگی تھی۔دل کو کاٹ دینے والی افسردگی۔

زین اس سے مزید کچھ نہیں کہہ سکا۔

شاید وہ ٹھیک کہتی تھی اس کا درد سمجھنے کے لیے، اس کی جگہ پر ہونا ضروری

تھی۔

اس نے باری باری اپنی دونوں کلائیاں بہت نزاکت سے اس کی گرفت سے آزاد کروائیں۔اور لاچار سے قدموں آبادی کی طرف بڑھ گئی۔

عقب سے زین کی آنکھیں بے چینی سے اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہیں۔لیکن وہ اسے اس ذہنی حالت میں اکیلا نہیں چھوڑ سکا۔دبے قدم اس کے پیچھے چل دیا۔

شام قریب آگئی تو قلبلار کے بازاروں میں رش بھی بڑھ گیا۔دکانوں کے باہر لٹکتے چراغ جلا دیئے گئے۔کیونکہ آسمان سرمئی، گھنیرے بادلوں کی موجودگی کے باعث شام سے پہلے ہی سیاہ ہو چکا تھا۔

علینہ بے جان قدموں اس سے چند گز کے فاصلے پہ آگے بڑھتی چلی جا رہی تھی۔

پہلے وہ جھیل کے اوپر بنے پل پر واپس گئی تھی۔چند لمحوں کے لیے تو زین کی جان ہی اٹک گئی تھی۔مگر جب وہ اپنا تھیلا اٹھا کے واپس پلٹ آئی تو وہ سکھ کا سانس لے کر قدرے مطمئن ہو گیا۔

وہ اسے تقریباً چھ مہینے بعد دیکھ رہا تھا۔اس دورانیے میں اسے کئی بار علینہ کا خیال آیا تھا۔ارادتاً۔غیر ارادتاً۔

اسے معلوم تھا کبھی نہ کبھی وہ دوبارہ اس سے ضرور ملے گا۔لیکن وہ ملاقات ایسی ہو گی ایسا تو اس کے بھیانک خوابوں میں بھی نہیں تھا۔

وہ اب بازار کی طرف نکل آئی تھی۔چلتے چلتے وہ یکدم رک گئی۔

زین فوراً سے قریب موجود ٹھیلے کے پیچھے ہو گیا۔وہ ایک دوسرے ٹھیلے کی طرف گئی۔اس پہ آئینے ایک قطار میں سجا کر رکھے گئے تھے۔علینہ نے ایک آئینہ اٹھایا۔اس میں اپنا چہرہ دیکھا۔زین آنکھیں میچ کے تھوڑا مزید پیچھے ہوا۔

"چھپنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے میں نے تمہیں دیکھ لیا ہے۔"وہ اس کی طرف پلٹ کے برہمی سے بولی۔آئینہ ہوا میں لہرایا۔اس میں زین کا عکس چمکا۔

"آفرین ہے تم پر زین بِن ظفر۔تھوڑا اور آگے ہو کر کھڑے ہوتے۔"وہ منہ میں بڑبڑاتا اس کے قریب گیا۔سفید لباس اور سیاہ بالوں سے ابھی تک پانی ٹپک رہا تھا۔علینہ کے بال اور کپڑے بھی گیلے تھے۔

"کیوں کر رہے ہو میرا پیچھا؟"لب و لہجے سے وہ پہلے سے کافی بہتر لگ رہی تھی۔

"میں پیچھا نہیں کر رہا۔"وہ صاف مکر گیا۔

"تو اسے اور کیا کہتے ہیں؟"تفتیشی انداز میں استفسار کیا۔

"تمہیں بچاتے بچاتے میرا بٹوا جھیل میں گر گیا ہے۔میں ایک دوست کے ہاں دعوت پہ جا رہا تھا۔اور اب اس کے لیے کوئی تحفہ خریدنے کے لیے میرے پاس پیسے نہیں ہیں۔"

اس نے فوراً سے ایک کہانی گھڑ لی۔وہ نہیں چاہتا تھا علینہ اسے کوئی تعاقب کار سمجھے۔

www.novelsclubb.com

"تو تمہیں مجھ سے مزید ادھار چاہیے؟"اس نے آئینہ واپس رکھا اور دونوں ہاتھ سینے پہ باندھے۔

زین کا سر اثبات میں ہلا۔

"ابھی چھ ماہ پہلے والا ادھار واپس نہیں کیا تم نے۔"

"اس کے بدلے میں نے کسی ضرورت مند کی مدد کر دی تھی۔"اس نے خوشگوار مسکراہٹ ہونٹوں پہ سجائے ایک اور جھوٹ بولا۔

علینہ کا چہرہ سنجیدہ رہا۔

"اتنے لوگ ہیں یہاں۔تم کسی اور سے بھی مدد مانگ سکتے تھے۔"اس نے گردن ارد گرد گھمائی۔

"مجھے کسی اجنبی کا مقروض نہیں ہونا۔مجھے صرف تمہارا قرضدار بننا ہے۔"وہ آنکھوں سے مسکرا کے بولا۔

علینہ اب بھی نہیں مسکرائی۔گہری نظروں سے اسے گھورتی رہی۔

"علینہ تم مسکراتی نہیں ہو؟"اس نے اگلا پچھلا دیکھے بغیر دھڑام انداز میں سوال پوچھ لیا۔

علینہ نے گھبرا کے پلکیں جھپکیں۔ایک مرتبہ۔دو مرتبہ۔پانچ مرتبہ۔

قدرے گھبرا کے چہرہ پہ آتی گیلی لٹیں کانوں کے پیچھے اڑسیں۔پھر تیزی سے اپنے تھیلے میں سے چند نوٹ نکالے اور زبردستی اس کے ہاتھ میں تھمائے۔

"پکڑو یہ۔اور دوبارہ میرے پیچھے مت آنا۔"آنکھوں سے تنبیہ کی۔اور انتہائی تیز قدم اٹھاتی آگے بڑھ گئی۔

زین دبی سی مسکراہٹ چہرے پہ لیے اسے دور جاتا دیکھنے لگا۔

"پلٹ کر ایک آخری نظر دیکھے گی یا نہیں؟"وہ منتظر سی نگاہوں سے اسے عقب سے تک رہا تھا۔

وہ گلی کا موڑ مڑتے ہوئے رکی۔

زین کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔

علینہ نے گردن دھیرے سے اس کی طرف موڑی۔ایک لمحے کے لیے دونوں کی نظریں ملیں۔اور پھر وہ ہڑبڑاہٹ کے عالم میں موڑ کے اس پار غائب ہو گئی۔

زین بند آنکھوں سے چہرہ آسمان کی طرف اٹھائے دل کھول کر مسکرایا۔آسمان پہ بادل گرجے اور پھر رحمت کی بوندوں کا نزول ہوا۔وہ دونوں ہاتھ پھیلا کے موٹے قطروں کو محسوس کرنے لگا۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

زین کو بارش قطعاً پسند نہیں تھی۔ مگر جب سے اس کی زندگی میں علینہ آئی تھی اسے بارش اچھی لگنے لگی تھی۔ کیونکہ وہ دونوں جب بھی ملتے تھے بارش ہوتی تھی۔اور علینہ سے ملاقات کے موقع پر ہونے والی کوئی بھی چیز زین کو بری کیسے لگ سکتی تھی۔

"تمہیں کیا ہوا ہے، برخوردار؟" ایک ضعیف مرد نے اس کا کندھا تھپکا تو اس نے آنکھیں کھولیں۔

شام کے جامنی اندھیرے میں لوگ بارش سے بچنے کے لیے افراتفری کے عالم میں چھتوں کے نیچے رجوع کرنے لگے تھے۔

"محبت۔" وہ مسکراتی آنکھیں اور متبسم چہرہ لیے پُرجوش انداز میں بتا رہا تھا۔

"مجھے محبت ہو گئی ہے۔"

ضعیف مرد اسے عجیب نظروں سے گھورتا آگے بڑھ گیا۔اور وہ وہیں لوگوں کے ہجوم میں گھرا کھلے آسمان تلے کھڑا رحمت کی برسات میں بھیگتا رہ گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

قلبلار۔

آزاد منزل کے چھوٹے سے کتب خانے میں چھت سے لٹکتے چراغوں کی روشنی جلوہ خیز ہو کے فرش پہ بکھر رہی تھی۔امیرہ میز پہ دونوں کہنیاں ٹکائے منتظر سی بیٹھی تھی۔

دفعتاً وائل اپنے کمرے میں بنے زینے چڑھ کے اوپر آیا۔

"کیوں بلایا تھا؟"اس کے مقابل کرسی کھینچ کے بیٹھا۔وہ تھکا تھکا سا لگ رہا تھا۔

امیرہ نے ایک لمبی سانس باہر نکالی۔"میں نے تمہارے کام کر دیا ہے۔"

"کون سا؟"

"جس کے لیے تم نے مجھے قائرہ جانے کی اجازت دی تھی۔"

"اتنی جلدی؟"سرمئی آنکھیں ستائش سے چمکیں۔

"بے روزگار جو ہو گئی ہوں۔ صبح شام صرف فرصت ہی فرصت تھی۔"

وائل نے سمجھ کے سر کو خم دیا۔بولا کچھ نہیں۔

امیرہ کافی دیر اسے یونہی بے مقصد مگر پُر سوچ نظروں سے دیکھتی رہی تو وہ دو

ٹوک انداز میں بولا۔

"اگر مجھ سے شکریہ سننا چاہتی ہو تو یہ خواہش ترک کر دو۔ تم نے مجھ پہ کوئی احسان نہیں کیا۔"

"میں ایسی غیر حقیقی خواہشیں نہیں پالتی۔"

"پالنی بھی نہیں چاہئیں۔" تکان زدہ سی آنکھیں اس پہ مرکوز کیے دھیرے سے شانے اچکائے۔

"میں نے بہت سوچا۔" وہ بغور اسے دیکھتے ہوئے بولی۔

"کس بارے میں؟" اس کی ابرو اوپر اٹھی۔

"یہی کہ تم نے مجھے لافانی ققنوس کی ایک اور تصویر بنانے کے لیے کیوں کہا؟" جو شک و شبہات تھے اس بات کو لے کر وہ اب واضح ہو چکے تھے۔

(تم ہی کہتے ہو نا، کہ اس دنیا میں مفت میں صرف سانس لی جاتی ہے۔ باقی ہر چیز کی قیمت ہوتی ہے۔ تو بتاؤ وائل بن آدم، تمہاری اس کرامات کی کیا قیمت چکانی ہو گی مجھے؟"

"میں اتنا بھی مطلبی نہیں ہوں امیرہ۔" اس نے ناخوش ہو کے آنکھیں بڑی کیں۔

"جیسے میں تو تمہیں جانتی ہی نہیں نا۔"

"شاید تم ٹھیک کہتی ہو۔ تم مجھے سب سے کم وقت میں بھی بہت اچھے سے جان گئی ہو۔" وہ محفوظ ہوا تھا۔ "میں تمہیں قائرہ جانے دوں گا، لیکن اس شرط پہ کہ واپس آ کر تم میرے لیے لافانی ققنوس کی ایک اور جعلی چھاپ بناؤ۔"

امیرہ پہلے شش و پنج میں پڑی۔ پھر حامی بھر لی۔)

"سوچ کا کوئی جواب ملا؟" وہ قدرے لطف سے بولا۔

"تم اپنے گاہکوں کے ساتھ ہیرا پھیری کرنے والے ہو۔ اصلی شاہکار کا لارالگا کے کہ تم نقلی تصویر ان کے سپرد کر کے پیسے وصول کرو گے۔" سوچتی نظریں اس پہ ٹکائے وہ اعتماد سے بولی۔

"مجھے شروع سے معلوم تھا، تم کافی سمجھدار ہو۔" امیرہ اس کے ارادوں سے با علم تھی اس بات کی خبر ہونے کے باوجود وہ نہ حیران ہوا تھا، نہ پریشان۔

"میں نے دو مرتبہ اس تصویر کی جعلی چھاپ بنائی ہے۔ تمہارے مطلب کا کچھ خاص نہیں ہے اس میں۔ پھر کیوں رکھنا چاہتے ہو اسے اپنے پاس؟"

"تجسس کہہ لو۔" بے نیاز انداز میں بولا۔

امیرہ اس کے جواب سے آمادہ نہیں ہوئی۔ وہ صرف تجسس کی بنا پہ لافانی قفنوس کو اپنے پاس کبھی نہ رکھتا۔ وہ بھی تب جب اسے رنگ آمیزی اور نقاش کشی جیسے فنون میں نہ تو کوئی دلچسپی تھی اور نہ ہی ان کی کوئی قدر تھی۔

"اگر انہیں معلوم ہو گیا کہ تم ان کے ساتھ دھوکہ کر رہے ہو تو؟"

"تصویر کی جانچ کرنے والا میرا ہی بندہ ہو گا۔ وہ وہی کہے گا جو میں اسے کرنے کے لیے کہوں گا۔" بے تاثر سی آواز میں کہتے اس نے میز پہ پڑی ایک کتاب اٹھائی۔

"تمہیں کیسے معلوم وہ لوگ یہ کام کس سے کروائیں گے؟"

"مجھے سب پتہ ہوتا ہے، امیرہ۔" آنکھیں دکھا کے یاد دہانی کروائی۔

"میں کیسے بھول سکتی ہوں۔" وہ منہ میں بڑبڑائی۔ "تم نے اسے بھی یقیناً ڈرایا

دھمکایا ہو گا، ہے نا؟"

"تم میری سوچ سے بھی زیادہ عقل مند ہو۔" کتاب کے صفحے الٹ پلٹ کرتے وہ ہٹ دھرمی سے مسکرایا۔

"کیسے کر لیتے ہو یہ سب؟" اس نے پُرافسوس لہجے میں پوچھا۔

اس نے جیب سے قلم نکالا اور کتاب کے مختلف حصوں کو نشان لگانے لگا۔

"ہم انسان ہیں، امیرہ۔ خطاؤں کے پتلے۔ ہم سب کا کوئی نہ کوئی راز ہوتا ہے۔ جو دنیا پہ افشاں ہو جائے تو ساکھ، عزت، رتبہ.... ان سب کی دھجیاں اڑ جاتی ہیں۔" اس نے کھٹاک کتاب بند کی۔ اور نظریں اٹھا کے غور سے امیرہ کا چہرہ دیکھا۔ "مجھے صرف لوگوں کے وہ راز معلوم ہیں۔ جنہیں میں صحیح وقت پر، صحیح جگہ، صحیح طریقے سے استعمال کر کے اپنا مطلب نکال لیتا ہوں۔" تینوں مرتبہ صحیح کے الفاظ ادا کرتے اس نے اپنا قلم میز پہ ٹھوکا تھا۔

"اور جس کا تمہیں کوئی راز نہیں ملتا اس کی تم کسی مجبوری کا فائدہ اٹھاتے ہو۔" سوال سے زیادہ وہ جیسے اُس کی اس مہارت کو لاشعوری طور پہ سراہ رہی تھی۔

"انتہائی قابلِ تعریف صلاحیت ہے۔ نہیں؟" وہ پھر ڈھٹائی سے مسکرایا۔

"اور اگر کسی کی کوئی مجبوری نہ ملے تو؟" اس کے برعکس وہ بالکل بھی محفوظ نہیں ہو رہی تھی۔ چہرہ پہ محض سنجیدگی دری تھی۔

سرمئی آنکھوں میں شیطانی چمک ابھری۔ "پھر میں اس انسان کی مجبوری خود تخلیق کرتا ہوں۔"

"جیسے تم نے فیض کے ساتھ کیا۔ تم نے اسلام صاحب کو گرفتار کروا کے اسے مجبور کر دیا کہ وہ تمہاری پیشکش قبول کر لے۔ تم نے اسے قلبلار میں باحفاظت رہنے کا لالچ بھی دیا اور اسلام صاحب کے لیے اس کے جذبات کو استعمال بھی کیا۔ وہ چاہتا تو قلبلار چھوڑ کر جا سکتا تھا۔ مگر تم نے لفظوں کی ہیر پھیر کے ذریعے اسے اپنا محتاج بنا دیا۔"

"اگر وہ اپنی عقل کا استعمال کر لیتا تو میری چالاکیوں کا شکار نہ بنتا۔" ڈھٹائی سے شانے اچکا دیئے۔

"تمہارا کیا راز ہے وائل؟" وہ پُرسوچ سے انداز میں بولی تو وائل نے پتلیاں

سکیڑیں۔"تم نے کہا سب کے راز ہوتے ہیں، تو تمہارا بھی تو کوئی راز ہو گا...."

"تم نے کہا تھا تمہیں کسی رہنما کی ضرورت نہیں ہے۔"

"ہاں تو؟" امیرہ کو اس بات کا حوالہ سمجھ نہیں آیا۔

"مجھے بھی کسی ہمراز کی ضرورت نہیں ہے، امیرہ۔" وہ کرسی پیچھے دھکیلتے اٹھ کھڑا ہوا۔

نجانے کیوں مگر وائل بِن آدم کے راز کسی مقناطیسی طاقت کی طرح اسے اپنی طرف کھینچتے تھے۔ وہ ایک ایسی جادوئی کتاب تھا جو اپنی مرضی کے وقت پہ، اپنی مرضی کے لوگوں پر صرف اتنا کھلتی تھی، جتنا وہ کھلنا چاہتی تھی۔ اور امیرہ کسی طالب علم کی طرح اس کتاب کا سارا علم عبر کر لینا چاہتی تھی۔

www.novelsclubb.com

"س سے سا شا بنتا ہے۔"

وہ اتنی تیزی سے بولی تھی کہ وہ ٹھٹھک کے رک گیا۔ چہرے پہ استفہامیہ تاثرات نمایاں ہوئے۔

امیرہ نے اپنے لاکٹ کی ہک کھولی۔ اسے اتار کے سامنے رکھا۔

"دیکھو۔الف سے امیرہ اور سین سے ساشا۔" یہ جھوٹ نہیں تھا۔

اس نے دونوں ہاتھ سینے پہ باندھے، قدرے آگے جھک کے دونوں اطراف کا ایک سنسنی سا جائزہ لیا۔"اور کون ہیں یہ محترمہ؟"

"ایک پرانی ساتھی۔"

"تھی یا ہے؟" وہ متجسس ہوا۔

"وہ اب بھی ہے۔بس اس کا ساتھ نہیں رہا۔"

اس نے لاکٹ اٹھا کے دوبارہ پہنا۔اور اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

وہ اب تک وہیں کھڑا تھا۔

"اب تم بتاؤ اپنا راز۔"

"مجھے اب بھی کسی ہمراز کی ضرورت نہیں ہے، جانِ تمنا۔" معصومیت سے پلکیں جھپک کے وہ نیچے جاتے زینے کی طرف بڑھ گیا۔

اس نے کڑواہٹ سے صبر کا گھونٹ بھرا۔(تُف ہے تم پر، امیرہ۔)

اگر قلبلار کے لوگ اسے عفریت کہتے تھے، تو وہ غلط نہیں تھے۔وہ واقعی شیطان

www.novelsclubb.com

تھا۔اگر شیطان نہیں تھا تو پھر اس کا استاد تھا۔ مگر اس سے کم کسی صورت نہیں تھا۔ ہر ممکن طریقے سے انسان کو ورغلا کر اپنے جال میں پھنسانے کی بھیانک صلاحیت رکھتا تھا۔

"میں نے تمہارا دوسرا کام بھی کر دیا ہے۔" امیرہ نے پیچھے سے آواز لگائی۔

"دوسرا کام؟" وہ چونک کے پلٹا۔

امیرہ نے گول مول صورت میں لپٹے کاغذات کا دستہ اس کی طرف بڑھایا۔

اس نے حیران زدہ سا ہو کے اسے کھول کے دیکھا۔

"نہران شہر کا مختصر سا نقشہ ہے مگر محل کے نقشے میں ایک ایک کونا میں نے اچھے سے شامل کیا ہے۔ جس وفد کے ساتھ میں گئی تھی انہیں زندان کا دورہ بھی کرایا گیا تھا اس لیے جتنا مجھے یاد تھا، وہ سب میں نے بنایا ہے۔"

دونوں نقشے دیکھتے ہوئے اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔

پھر اس نے ان کی تہہ لگائی۔اور ماتھے تک لے جا کے جیسا سلام کیا۔

"شکریہ!"

"اب میں تم پر احسان کر رہی ہوں؟" امیرہ کے لہجے میں استہزائیہ کاٹ تھی۔

"جس پتھر پہ لکیر جیسے انداز میں کہا تھا کہ نقشہ نہیں بنا کے دو گی، اس کے بعد یہ کسی احسانِ عظیم سے کم بھی نہیں ہے۔" وہ بھی اسی کے لہجے میں بولا۔

"جب میں تم سے معذرت کر چکی ہوں تو پھر کیوں بار بار یاد دلاتے ہو؟" امیرہ کے تاثرات بگڑے۔ ماتھے پہ ناگواری سے شکنیں پڑیں۔

"ایسے دبنگ و نایاب واقعات بھلا دینے کے لیے پیش نہیں آیا کرتے، امیرہ بی بی۔ نہ ہی انہیں بھلایا جا سکتا ہے۔"

اس نے ضبط سے گہری سانس بھری، اور گفتگو کا رُخ واپس نہران کی طرف موڑا۔ "نقشہ تو میں نے تمہیں بنا دیا ہے۔ لیکن تم جو کرنے کی منصوبہ بندی بنا رہے ہو، وہ ناممکنات میں سے ہے۔ نہران کے زندان سے کسی قیدی کو غیر قانونی طریقے سے نکالنا ایک ناممکن عمل ہے۔" گو کہ وائل ان سب باتوں سے بخوبی واقف تھا، وہ اسے اس کے افعال کے ممکنہ نتائج یاد دلوا کے جیسے اس کا ارادہ بدلنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"جس وقت ابوالحسن کی غیر موجودگی کی خبر حکام کو ہوئی اسی پل نہران سے باہر جاتے ہر راستے پہ ناکا بندی لگ جائے گی۔ جیتا جاگتا انسان تو کیا، کوئی مردہ لاش بھی اس احاطے سے باہر نہیں نکل سکے گی۔ چاہے وہ کسی دوسری ریاست کے بادشاہ کی ہی کیوں نہ ہو، جس کا اپنی سرزمین میں مدفن ہونا انتہائی اہم ہو۔"

"میں نے تم سے پہلے بھی کہا تھا کہ یہ زندگی لاتعداد امکانات اور منتخب حقیقتوں کے درمیان کا توازن ہے۔" وہاں بلا کی بے فکری تھی۔ جیسے اسے سنگین نتائج کی رتی برابر بھی پرواہ نہ ہو۔

"اور اس کا نتیجہ ہم دونوں نے دیکھا تھا۔" وہ افسردگی سے بولی۔

"کیونکہ وہاں ہمارا مقابلہ تقدیر سے تھا۔" لہجہ اور آواز دونوں ہی ہر قسم کے تاثر سے عاری تھے۔

امیرہ نے تاسف اور تلخی کے ملے جلے تاثرات سے اسے دیکھا۔ یا تو وہ بہت بے حس تھا۔ یا پھر بہت اچھا اداکار تھا۔ دوسروں کے جذبات پہ لاابالی پن ظاہر کرنے اور اپنے احساس پر بے حسی کا نقاب چڑھانے کے ہنر میں ماہر۔

"سامنے تو یہاں بھی تقدیر ہی ہو گی، وائل۔"

"اور وہ تقدیر میرا بنایا گیا منصوبہ ہو گی۔"

امیرہ کو اس کے اعتماد پہ افسوس ہوا۔ رشک نہیں۔

"پھر بھی کوئی گڑبڑ ہو گئی تو....؟"

"جب میری منصوبہ بندی پر فیض کے وجدان کی مہر لگے گی تو ایسا نہیں ہو گا۔"

وہ اب بھی محض پُر سکون اور بے پرواہ نظر آتا تھا۔

"پھر تمہیں اسے بھی اس کا حصہ دینا پڑے گا۔ اتنا بڑا دل کر لو گے؟" یہ جیسے چتاؤنی تھی۔ وائل بِن آدم کے اندر کا لالچی انسان اسے کبھی یہ کرنے کی اجازت نہ دیتا۔

www.novelsclubb.com

"نہیں۔ تم سب کے حصے میں سے دس دس فیصد نکال کر اس کا حصہ بناؤں گا۔"

"یہ کام بہت خطرناک ہے، وائل۔" وہ پرامید سی ہو کر ایک آخری دفعہ اسے اس کام سے علیحدگی پہ آمادہ کرنے کی کوشش کرنے لگی۔ یہ جانتے ہوئے کہ وہ

اپنے ارادے کسی کے لیے نہیں بدلتا۔

"جو خطرہ مول نہیں لیتے وہ پیچھے رہ جاتے ہیں، امیرہ۔"

"اور تم صرف آگے بڑھنا چاہتے ہو۔ چاہے کسی کی جان ہی کیوں نہ چلی جائے؟" اس نے ملامت زدہ آواز کو مزید جذباتی بنا کے اسے تھوڑی شرم دلانے کی کوشش کی۔

وہ اتنا کھل کے مسکرایا کہ اس کے موتیوں جیسے سفید دانتوں کی ایک جھلک دکھی۔ امیرہ اس کی شیطانی مسکراہٹ سے ذرا برابر محفوظ نہیں ہوئی۔ بس چبھتی آنکھوں سے اسے دیکھے گئی۔

وہ دائیاں ہاتھ میز پہ جمائے آگے جھکا۔ "امیرہ بنتِ آدم۔ اگر تم بھول گئی ہو تو تمہیں یاد دلا دوں کہ میں ایک انتہائی سفاک (بائیں ہاتھ کا انگوٹھا باہر نکالا) بے حس (انگشت شہادت باہر نکالی) موقع پرست (درمیانی انگلی بھی دوسری دونوں کے ساتھ رکھی) لالچی (اب کی بار چوتھی انگلی باہر نکلی) اور خود غرض (پانچویں انگلی بھی باقی چاروں کے ساتھ ملائی) انسان ہوں جو ہر صورتحال میں صرف ذاتی مفاد پر

مبنی فیصلے کرتا ہے۔دوسروں کی زندگیوں سے زیادہ مجھے اپنے نفع نقصان کی پرواہ ہوتی ہے۔لیکن...."

"میری معلومات میں اضافہ کرنے کے لیے میں تہہ دل سے تمہاری مشکور ہوں۔"سرد مہری سے کہہ کے وہ کتب خانے سے نکل گئی۔اس پتھر کو کچھ بھی سمجھانے سے بہتر تھاانسان کسی ستون کے ساتھ اپنا سر پھاڑ لے۔

"لیکن پھر بھی وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں....یا کسی اور کو کچھ نہیں ہونے دوں گا۔"وہ دھڑام سے دروازہ بند کر کے چلی گئی تو اس نے نرم سی آواز میں اپنی بات مکمل کی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

www.novelsclubb.com

قلبلار۔

"امیرہ میں آج تمہارے کمرے میں سو جاؤں؟"

دستک پہ امیرہ نے دروازہ کھولا تو علینہ کو اپنے سامنے کھڑا پایا۔اس کے پیچھے سیاہ آسمان پہ لاکھوں ستارے جگمگا رہے تھے۔سیاہی اور روشنی کے امتزاج میں ٹمٹماتا

دلکش آسمان۔

وائل کی اپنے منہ سے بتائی گئی صفات سننے کے بعد اس کا دماغ ایسا گھوما تھا کہ اس نے تب سے خود کو کمرے میں بند کر رکھا تھا۔ ورنہ اس کے اندر بے تحاشا غصہ ابل رہا تھا جو شاید کسی اور پہ نکل جاتا۔

وہ آخر خود کو سمجھتا کیا تھا۔ دوسروں کی زندگیوں کی کوئی اہمیت ہی نہیں اس کی نظر میں۔ وہ ہی بیوقوف تھی جو بار بار اسے سمجھانے چلی جاتی تھی۔

"وہ دراصل میرے کمرے میں چھپکلی آگئی ہے۔" امیرہ کی آنکھوں کے استفہامیہ تاثرات دیکھ کے علینہ نے وضاحت کی۔

"آجاؤ۔" امیرہ ایک طرف ہٹی اور اسے راستہ دیا۔

دروازہ بند کر کے وہ واپس آئی اور اپنا بستر زمین پہ لگانے لگی۔

"امیرہ اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں نیچے سو جاؤں گی۔" علینہ نے بے چینی سے اسے روکا۔

"تم اس کمرے میں مہمان ہو۔ اور مہمان کے کچھ حقوق ہوتے ہیں۔" وہ ہلکی

سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

علینہ نہیں مسکرائی۔وہ پلنگ کی دوسری طرف گئی تو امیرہ رک کے اسے دیکھنے لگی۔پُر سوچ نظروں سے۔پہلے مسکراہٹ اس کی آنکھوں سے جدا نہیں ہوتی تھی، اور اب وہ جیسے اس کی زندگی سے ہی فنا ہو گئی تھی۔

"مجھے اکثر راتوں کو نیند نہیں آتی۔" وہ دونوں لیٹ گئیں تو کافی دیر بعد علینہ کی آواز اندھیرے کمرے کے سناٹے میں گونجی۔

"مجھے بھی۔" امیرہ نے داہنا بازو آنکھوں پہ رکھا۔

"تمہیں کیوں نیند نہیں آتی؟"

"میں آنکھیں بند کرتی ہوں تو کسی کا چہرہ دکھائی دیتا ہے۔اس کی یاد ایسے ہے جیسے دل کا ہزار ٹکڑوں میں کٹ کے لہولہان ہو جانا۔"

علینہ جواباً خاموش رہی۔

تمہیں کیوں نیند نہیں آتی؟" امیرہ نے اس سے پوچھا۔

"نیند میں میرا ماضی میرا تعاقب کرتا ہے۔جو کر چکی ہوں، اللہ مجھے بار بار اس کی

یاد دلاتا ہے۔"اس کی آواز میں پشیمانی تھی۔

"علینہ تم سے ایک بات پوچھوں؟"

"ہوں؟"

"تم مجھے جان بوجھ کے نظرانداز کرتی ہو یا میں تمہیں واقعی یاد نہیں ہوں؟"

"میں تمہیں جانتی ہوں؟"وہ اٹھ کے بیٹھی اور پلنگ پہ امیرہ والی طرف کھسک آئی۔پلنگ کے ساتھ پڑے دراز میز پہ رکھا چراغ رسی کھینچ کے جلایا۔کمرہ نیم منور ہو گیا۔

امیرہ بھی اٹھ کے اس کے روبرو بیٹھی۔

"دوپٹے کے بغیر دیکھ کے شاید تم مجھے پہچان لو۔"اس نے اپنے لمبے بال دونوں طرف سے آگے گرائے۔

علینہ نے اس کا چہرہ غور سے دیکھا۔ایک پل۔دو پل۔چند پل۔

"امیرہ؟امیرہ؟"وہ زیر لب اس کا نام دہراتی رہی۔پھر اس کی آنکھوں میں کچھ چمکا۔اور وہ دھیمی آواز میں چلائی۔"امیرہ!!مصور امیرہ! قائرہ جامع درس گاہ میں

اسلامیات کی سب سے بہترین طلبہ امیرہ!"اس کے چہرے پہ حیرت تھی۔ پھیکی پھیکی خوشی بھی۔

امیرہ نے مسکرا کے سر کو اوپر نیچے جنبش تھی۔

"اُف۔اتنے مہینوں سے تم ساتھ ہو اور میں گدھی تمہیں پہچان ہی نہیں پائی۔"وہ خاصی شرمندہ ہوئی۔

"تم اپنے کام کے علاوہ کچھ دیکھتی ہی کہاں ہو۔"

علینہ نے پلنگ کی پشت سے ٹیک لگائی۔

"سچ کہوں تو اب مجھے پہچان نہیں رہی۔نہ لوگوں کی۔نہ رنگوں کی۔نہ کسی اور شے کی۔"وہ نیم روشن کمرے کے در و دیوار کو دیکھ رہی تھی۔

"علینہ تم یہاں کیسے پہنچیں؟وائل سے کیسے پالا پڑا؟"

"میں کسی سے محبت کر بیٹھی تھی،امیرہ۔اور اُس کی محبت مجھے لے ڈوبی۔میں گمراہ ہو گئی تھی۔اور اس گمراہی نے مجھے کہیں کا نہیں چھوڑا۔"کافی دیر کی خاموشی کے بعد علینہ کی اداسی اور ندامت بھری آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی تھی۔"سنا

تھا محبت لوگوں کی زندگیوں میں رنگ بھرتی ہے لیکن میری محبت نے میری زندگی کو بے رنگ بنا دیا۔ سارے رنگ چھین کے مجھے گہرے اندھیروں میں جھونک دیا۔ میں خود سے اجنبی ہو گئی ہوں امیرہ۔ میں تم سب کے سامنے تو ہوں، لیکن...." (اس کی آواز بھر آئی) میں ہوں نہیں۔ میں نے اپنا آپ کہیں بہت پیچھے کھو دیا ہے۔ اتنا پیچھے کہ اب خود کو نئے سرے سے دریافت کرنا، ناممکن لگتا ہے۔ جیسے کوئی ادھوری جستجو ہو۔ کوئی لاحاصل تلاش ہو۔"

امیرہ اٹھ کے اس کے سرہانے تک آئی۔ اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لیا۔ اسے لگا تھا وہ رو رہی ہو گی۔ غلط لگا تھا۔ اس کی نایاب آنکھوں سے ایک دریا بہنے کو تیار تھا۔ مگر وہ رو نہیں رہی تھی۔ وہ شاید کبھی نہیں روئی تھی۔

"میں تم سے کوئی سوال نہیں کروں گی.... تم بس رو لو۔ تم بہت بوجھ اٹھائے ہوئے ہو علینہ۔ آج اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر لو۔" اس نے اپنائیت سے کہتے پلکیں جھپکیں۔ الفاظ کے بغیر اسے تسلی دی۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔

"مجھے کوئی بوجھ ہلکا نہیں کرنا، امیرہ۔ مجھ جیسی نافرمان اولادوں کا خوشیوں اور

سکون پہ کوئی حق نہیں ہوتا۔بے سکونی ہمارا مقدر اور اذیت ہماری میراث بن جاتی ہے۔تم سو جاؤ۔"نرمی سے اس کے دونوں ہاتھ اپنے چہرے سے ہٹا کے وہ دوسری طرف کروٹ لیے لیٹ گئی۔

امیرہ افسوس سے اسے دیکھتی رہی۔سکون یہاں کسی کی زندگی میں نہیں تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

قلبلار۔

اگلی صبح بھی بادلوں سے اندھیر طلوع ہوئی تھی۔مگر مغرب کی اذان تک سیاہ بادل برسنے کے بعد آسمان سے چھٹ گئے تھے۔شام کے اس پہر، حریم کا غزال مقامی لوگوں اور مسافروں کے مجمعے سے بھرا پڑا تھا۔ہر سو خوش گپیوں اور قہقہوں کی رونق لگی تھی۔یا پھر شاید یہ رمضان کی رونقیں تھیں۔

زین آج بھی فیض سے ملنے آیا تھا۔قلبلار میں موجود اس کے جاننے والوں میں صرف ایک فیض ہی تھا جو اس سے مل لیا کرتا تھا۔وہ دونوں بہت گہرے دوست تو نہیں تھے۔مگر اچھی گپ لگا یا کرتے تھے۔

باتوں ہی باتوں میں اس نے سر اٹھا کر دیکھا تو دور سے اونچی پونی والی لڑکی تیزی سے چلتی ہوئی ان کی طرف آ رہی تھی۔زین کو دیکھ کر وہ بری طرح چونکی۔

وہ بھی دونوں ہاتھ سینے پہ باندھے پیچھے ٹیک لگا کر فرصت سے بیٹھ گیا۔

فیض جو اسے اپنے گزشتہ روز ہونے والے جادوئی کرتب کی تفصیلات بتا رہا تھا، رک کر اچنبھے سے اس کے اس عمل کو دیکھنے لگا۔

اگلے لمحے حریم کے چہرے سے حیرت کے تاثرات غائب ہوئے۔اور وہ ایک وسیع مسکراہٹ چہرہ پہ سجائے ان کی طرف بڑھی۔

"خوش آمدید۔"انتہائی خوش مزاجی سے ٹرے میں رکھے لوازمات ان دونوں کے آگے پیش کرنے لگی۔

www.novelsclubb.com

"اچھی چور کے ساتھ ساتھ اچھی مہمان نواز بھی ہو۔"مصنوعی ستائش سے اسے داد دی۔

"اگر تم یہ کہہ کر مجھے شرمندہ کرنے کی کوشش کر رہے ہو تو مت کرو۔"حریم کی مسکراہٹ مزید پھیلی۔"برسوں ہوئے مجھے اور شرمندگی کو بچھڑے۔اب ہمارا

ملن ممکن نہیں ہے۔"

"ویسے جو حرکت تم نے اور تمہارے چیلے نے کی تھی، وہ مجرمانہ تھی۔اس کے لیے میں تم دونوں کو گرفتار کرواسکتا ہوں۔"زین اسے چبھتی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

وہ جواباً اپنی گہری مسکراہٹ سے اسے مزید چڑھا رہی تھی۔

"اگر تم اپنی عقل کا استعمال کرتے اور اکیلی لڑکی جان کر مجھ پہ ترس نہ کھاتے تو ہمارا شکار نہ بنتے۔ویسے تمہارے بٹوے میں کوئی نہایت ہی کم رقم تھی۔بہت مایوسی ہوئی تھی مجھے۔"اس نے برا منہ بنایا۔

زین کو مزید تپ چڑھی۔

"کوئی مجھے بتائے گا کہ ہوا کیا تھا؟"فیض نے باری باری دونوں کو دیکھا۔

"بھرے بازار میں مجھے لوٹ کر بھاگے تھے یہ اور اس کا بھائی۔"زین تلخ ہوا۔

"بھائی نہیں ہے وہ میرا!"حریم بلبلا اٹھی۔

"لگتا تو تمہارے جیسا ہی ہے...."

www.novelsclubb.com

"صرف بال گھنگرالے ہیں ہم دونوں کے۔ باقی تو کوئی مشابہت نہیں ہے۔" وہ غصے سے لال بھبوکا ہو گئی تھی۔

"کیا یہاں حرم کی بات ہو رہی ہے؟"

زین نے سر ہلا کر مثبت جواب دیا۔

"مجھے بھی پہلی مرتبہ دیکھنے پر یہی لگا تھا کہ دونوں بہن بھائی ہیں۔" اس نے مدھم سا قہقہہ لگا کے بتایا۔

حریم نے آنکھیں گمائیں۔ زیر لب کچھ بڑبڑائی بھی۔

ان سب سے دور باورچی خانے کی دیوار سے ٹیک لگائے وائل اس سارے منظر عام کو باریکی سے دیکھ رہا تھا۔ درحقیقت وہ زین پر نظر رکھ رہا تھا۔ اس کی معلومات کے مطابق زین بِن ظفر غابانوی افواج میں نقیب کے عہدے پر فائز تھا۔ وہ اس کے لیے نہران کے زندان تک کی پرچی ثابت ہو سکتا تھا۔

گزشتہ روز جب اس نے جھیل میں کود کر علینہ کو بچایا تھا وائل تب بھی وہاں موجود تھا۔ کسی خاموش تماشائی کی طرح شروعات سے یہ سارا منظر اپنی آنکھوں

سے دیکھا تھا۔اس نے خود اس لیے کچھ نہیں کیا کیونکہ خودکشی کی ناکام کوشش کرنا توعلینہ کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔اس نے ابھی نجانے کتنی ایسی کوششیں اور کرنی تھیں۔

حریم اور زین اب باقاعدہ بحس کر رہے تھے۔ان دونوں کے حالات دیکھ کر وائل کے لیے یہ اخذ کرنا مشکل نہیں تھا کہ بات اب جلد ہی ہاتھا پائی تک پہنچ جائے گی۔لیکن اس کا اندازہ غلط ثابت ہوا۔

پلک جھپکنے کی دیر میں زین کی زبان چلنا بند ہو گئی۔وہ رک کے کسی کو دیکھ رہا تھا۔ مبہوتیت سے۔

وائل کی نظریں اس کی نظروں کے پیچھے گئیں۔علینہ اپنے منہ دھیان داخلی دروازے سے اندر داخل ہو رہی تھی۔اس نے واپس زین کی آنکھوں میں دیکھا۔ ابرو تعجب سے اکٹھے ہوئے۔

نظر بے آواز ہو سکتی ہے، بے الفاظ نہیں۔وہ کہے بغیر بہت کچھ کہہ دیتی ہے۔ سنائے بغیر بہت کچھ سنا دیتی ہے۔اور اس لمحے زین بِن ظفر کی نظر صرف ایک لفظ کا نغمہ گنگنا رہی تھی۔محبت کا۔

وہ ایک شریر منصوبہ ساز تھا۔اس کا دماغ تیزی سے ایک منصوبہ بنا رہا تھا۔
آنکھوں سے شیطانی چمک رہ رہ کر عیاں ہو رہی تھی۔
وہ تیز قدم اٹھاتا دروازے تک گیا اور علینہ کو بازو سے پکڑ کے باہر کھینچ لایا۔
لوگوں کے شور شرابے سے دور۔
"کیا ہوا؟" پیچھے لٹکتے چراغ کی روشنی میں اس کے چہرے پہ نا سمجھی کے تاثرات جھلکے تھے۔
"زین کو کب سے جانتی ہو؟" سیدھا سوال کیا۔
"تمہیں کیسے معلوم میں اسے جانتی ہوں؟" وہ حیرانی نہ چھپا سکی۔
جواباً وائل نے اسے "مجھے سب معلوم ہوتا ہے" والی مخصوص نظر سے گھورا۔
"اس سے کب اور کیسے ملیں؟" وہ تیز لہجے میں سوال کر رہا تھا۔
"قسمت سے۔"
"وہ تمہیں پسند کرتا ہے۔شاید محبت بھی۔"
اس کی صاف گوئی پہ علینہ متذبذب ہوئی۔کچھ کہنے کے لیے ہونٹ کھولے۔

پھر چہرہ سامنے کی طرف کر لیا۔

"تو میں کیا کروں؟" بے نیازی سے شانے اچکائے۔

"اوہ ہاں۔ تم نے تو خود کو اور اپنی زندگی کو اس گھٹیا علی کے نام وقف کر رکھا ہے۔ میں کیسے بھول گیا۔"

"طنز کر لیے ہوں تو میں جاؤں؟" وہ اس گفتگو سے بیزار نظر آتی تھی۔

"تم زین کے قریب ہونے کی کوشش کرو۔"

"معاف کرنا؟" اس کی آنکھوں اور آواز میں ہلکی سی تنبیہ تھی۔

"وہ فوجی ہے۔ نہران کے زندان میں اس کا معمول کا آنا جانا ہو گا۔ تم اس کے جذبات کو استعمال کر کے...."

www.novelsclubb.com

"نہیں۔" گردن دائیں بائیں ہلاتے علینہ نے اسے مضبوط آواز میں ٹوکا۔

اور تعجب کی بات تھی وہ خاموش بھی ہو گیا۔

"نہیں وائل بِن آدم۔ میں وہ آخری شخص بھی نہیں ہوں گی جو محبت کے نام پر کسی دوسرے کو دھوکا دے۔ اس کی دل آزاری کرے۔ اس کے جذبات کے

ساتھ کھلواڑ کر کے اپنا ذاتی مطلب نکالے۔ یہ مجھ سے نہیں ہو گا۔اور تم میرے ساتھ کوئی زبردستی نہیں کر سکتے کیونکہ اس میں میری ذاتیات.... میرے جذبات شامل ہیں۔"

یہاں آکر وہ واقعی بے بس ہو گیا تھا۔ وہ اپنے بازیگروں کی ذاتیات میں دخل اندازی کرنا پسند نہیں کرتا تھا۔اور یہاں علینہ کا ماضی بھی تصویر کا حصہ تھا۔ وہ واقعی اس معاملے میں اس کے ساتھ زور زبردستی نہیں کر سکتا تھا۔

"تمہاری جگہ میں ہوتا تو خود محبت میں دھوکا کھانے کے بعد سب کو محبت کے نام پر دھوکا دیتا۔ دوسروں کے ساتھ وہی کرتا جو میرے ساتھ ہوا۔"

"کاش سب تمہاری طرح بے حس ہو سکتے۔"علینہ نے ناگواری سے سر جھٹکا۔

اس سے پہلے وہ مزید کچھ کہتا،اس کی نظر غزال سے نکلتے زین پر پڑی۔

"میرے ساتھ آؤ۔" تحکم سے کہتا وہ آگے بڑھ گیا۔

"ہم کہاں جا رہے ہیں اور کیوں جا رہے ہیں؟"وہ بدقت اس کی تیز چال سے اپنے قدم ملا پا رہی تھی۔

"صبر سے کام لو علینہ جانم۔ صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے۔"

علینہ کو پورے شہر میں کسی گدھے کی طرح بھگانے کے بعد بالآخر وہ ایک گلی کے موڑ پر آ کے رک گیا۔اس کی سانسیں باترتیب تھیں۔ جبکہ علینہ باقاعدہ ہانپ رہی تھی۔

وہ دونوں شہر کی مخالف سمت میں آ چکے تھے۔ یہ علاقہ قلب سے خاصہ دور تھا۔ پہنچتے پہنچتے شام ڈھل چکی تھی۔

"ہم یہاں کیوں آئے ہیں؟"علینہ نے استعجاب سے ابرو اٹھائی۔

گھروں کے باہر لٹکتے چراغوں کی چمک میں اس کا چہرہ پھیکا سا دکھائی دیتا تھا۔

وہ اب رازداری سے موڑ کے اس پار جھانک رہا تھا۔علینہ نے بھی ایڑیاں اٹھا کے اس کے عقب سے جھانکنا چاہا۔

تب اسے وہ دکھائی دیا۔زین۔

"ہم زین کا پیچھا...."

"شش۔"اس نے انگلی اٹھا کے اسے خاموش کرا دیا۔

زین ایک گھر کے باہر رکا۔وہ یقیناً اس کی رہائش گاہ تھی۔اس نے جیب سے چابی نکال کے تالے میں لگائی۔

وائل دھیرے سے علینہ کے پیچھے ہوا۔احتیاط سے اس کے بالوں میں لگی سوئیوں میں سے ایک سوئی نکالی۔

اُدھر تالا کھلا۔اِدھر علینہ کے گھٹنے کے جوڑ پہ اس نے رکھ کر پاؤں مارا۔وہ منہ کے بل گلی کے وسط میں جا گری۔

ہاتھ بے اختیار دائیں پاؤں تک گیا تھا۔

گرنے کے باعث اس کے منہ سے اونچی چیخ نکلی تھی تو زین اس کی طرف پلٹا تھا۔

www.novelsclubb.com

علینہ نے فوراً سے پلٹ کر دائیں جانب دیکھا۔وائل بِن آدم وہاں سے کسی جن کی طرح غائب ہو چکا تھا۔

صبر کا پھل یہ تھا؟

"لعنت ہو تم پر، وائل بِن آدم۔" وہ غصے بھری بے بسی سے بڑبڑا کر رہ گئی۔

زین بھاگ کر اس کے پاس آیا تھا۔ وہ جھک کر اس کے قریب بیٹھا۔

"تم ٹھیک ہو؟" آنکھوں میں تشویش تھی۔

علینہ نے زین کو دیکھتے ہوئے تھوک نگلا۔ گردن نفی میں ہلی تھی۔

وہ اب جھک کر اس کے پاؤں کا معائنہ کر رہا تھا۔ علینہ کی نظریں اس کے عقب میں جمی تھیں جہاں سے وہ وائل کو زین کے گھر کے اندر داخل ہوتا دیکھ سکتی تھی۔

زین نے اس کے پاؤں پہ انگلی کا دباؤ ذرا سا بڑھایا تو وہ درد سے ہلکا سا کراہی۔

وہ ناٹک نہیں کر رہی تھی۔ پاؤں الٹا ہونے کی وجہ سے اس کے پاؤں میں واقعی موچ آگئی تھی۔ وہ بھی انتہائی شدید قسم کی۔

"اٹھو۔" وہ اب اسے دونوں ہاتھوں سے سہارا دے کر اٹھا رہا تھا۔

"چلو۔" زین نے اس کا ایک ہاتھ ابھی تک پکڑ رکھا تھا۔

علینہ نے دائیاں قدم اٹھایا۔ وہ چل نہیں سکی۔

"مجھ سے چلا نہیں جا رہا۔" وہ اضطراب سے بولی۔

اس کے پاؤں میں شدید درد ہو رہا تھا۔

زین نے احتیاط سے اس کا دائیاں بازو اپنی گردن کے گرد حائل کیا اور سہارے سے اپنے گھر کے باہر بنے لکڑی کے بینچ تک لے کر آیا۔

"بیٹھو۔" دنوں کندھوں سے تھام کر دھیرے سے اسے بینچ پر بٹھایا۔اور خود دروازے کے اس پار غائب ہو گیا۔

اگر وائل پکڑا گیا تو؟ او نہوں۔ وہ ہمیشہ محتاط ہوتا ہے۔ نہ اس کے قدموں کی چاپ سنائی دیتی ہے۔ نہ سانسوں کی آواز۔ اس کی موجودگی اتنی آسانی سے بھانپی نہیں جا سکتی۔

اس نے امکان سوچ کر خود ہی ذہن سے جھٹک دیا۔

گھر کے اندر باورچی خانے سے پانی تلاش کرتے زین کو چند لمحوں کے لیے کچھ کھٹکا تھا۔ لیکن وہ زیادہ غور و فکر کیے بغیر پانی گلاس میں بھر کے واپس آ گیا۔ علینہ زیادہ اہم تھی۔

"تم یہاں کیسے؟" وہ پانی ختم کر چکی تو وہ اچنبھے سے بولا۔

"میں ایک مریض کو دیکھنے آئی تھی۔ موڑ مڑتے وقت پاؤں پھسل گیا۔"

زین کے لب اوہ میں گول ہوئے۔وہ اس کے سامنے ایک گھٹنے پر بیٹھا۔

"وہ لڑکا کون تھا؟"موچ والی جگہ سے اس کے پاؤں کو نرمی سے مسلتے زین نے عارضی سے انداز میں سوال کیا۔

لمحے کے لیے علینہ کی رنگت بدلی۔دل بری طرح سے دھڑکا تھا۔(کیا اس نے وائل کو دیکھ لیا تھا؟)

"کون؟"وہ انجان بنی۔

"وہی جو تمہیں بازو سے پکڑ کے باہر لے کر گیا تھا۔"

اس کی سانس میں سانس آئی۔

وہ ابھی تک اسے استفہامیہ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

"میرا خیال ہے اب مجھے چلنا چاہیے۔"وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"لیکن تم کیسے جاؤ گی؟"وہ ہڑبڑا کر اس کے ساتھ ہی اٹھا۔لہجے میں فکر مندی در آئی۔"میں سواری کا انتظام کر دیتا ہوں۔"

"نہیں،میں خود چلی جاؤں گی۔"

"لیکن...."

"زین۔"علینہ نے محض اس کا نام لیا۔وہ کہتے کہتے خاموش ہو گیا۔

"میں خود جا سکتی ہوں۔شکریہ۔"

ایک پاؤں سے لڑکھڑاتی وہ زین کو چھوڑ کر بہت آگے نکل آئی۔وائل پکڑا جاتا ہے تو پکڑا جائے۔اس کی بلا سے۔

وہ وہاں ایک لمحہ اور رکتی تو شرمندگی اور ندامت سے مر جاتی۔اسے لگ رہا تھا وہ زین کے ساتھ دھوکا کر رہی ہے۔

علینہ نے اندھیری گلی کی طرف جاتا موڑ مڑا تو ایک ہیولا سا اچانک سے اس کے سامنے آ گیا۔

www.novelsclubb.com

اس کی سانسیں رک گئیں۔دل حلق کو آن پہنچا۔

"میں ہوں۔"

اس کی آواز پر علینہ کی اٹکی سانسیں بحال ہوئیں۔

وہ اسے بازو سے پکڑ کر واپس روشنی والی گلی کی طرف لے آیا۔"آنکھیں کھولو۔

اس طرف اندھیرا ہے۔"

"تم باہر کیسے نکلے؟"

"پچھلے دروازے سے۔"اس نے بالوں میں لگانے والی ایک سوئی علینہ کی طرف بڑھائی۔

"یہ تم نے کب نکالی؟"وہ حیران نہیں تھی۔بس جاننا چاہتی تھی۔

وائل نے کوئی جواب نہ دیا۔تیز قدموں سے آگے بڑھاتا گیا۔

"تم نے اس کے گھر سے کیا چرایا ہے؟"وہ لڑکھڑاہٹ کے باعث اس سے بہت پیچھے رہ گئی تھی۔

"میں بتانا ضروری نہیں سمجھتا۔"فاصلے سے اس کی تیز مگر مدھم آواز سنائی دی تھی۔

"جلدی چلو علینہ۔ضائع کرنے کے لیے ساری رات نہیں ہے میرے پاس۔"

اس نے گردن موڑ کر خفگی سے پیچھے دیکھا تو وہ اندر تک جل اٹھی۔

"میرے پاؤں میں درد ہو رہا ہے۔"دانت پیس کر ملامت کرتے لہجے میں

بولی۔

"مجھے مت بتاؤ۔ میں زین نہیں ہوں جو تمہیں اٹھالوں گا۔"

لہجے کو سنجیدہ بنائے وہ علینہ کو چڑانے کی کوشش کر رہا تھا۔

علینہ کے لب بے یقینی سے کھلے۔ "ایسا کچھ نہیں ہوا۔"

وہ پھرتی سے آگے بڑھتا رہا۔

"رفتار دھیمی رکھو۔ میرے پاؤں میں موچ آئی ہے، وائل۔" علینہ نے کڑھ کر پیچھے سے یاد دہانی کروائی۔

"میں پھر بھی تمہیں اٹھا کے لے کر نہیں جاؤں گا۔"

"میری ایسی کوئی تمنا بھی نہیں ہے۔" علینہ نے آنکھیں گھما کے سر جھٹکا۔

"اس لیے کیونکہ ایسی تمنا رکھنے کی تمہاری اوقات نہیں ہے۔"

اسے اس پر بے پناہ غصہ آیا۔ مگر اس نے کمال ضبط کا مظاہرہ کرتے ہوئے بے بسی سے ہونٹ بھینچ لیے۔

اگلے لمحے وہ کسی پتھر سے ٹھوکر کھا کر ایک مرتبہ پھر منہ کے بل زمین پہ جا

گری۔

وائل کوفت کھا کے واپس پلٹا۔چہرے پہ ڈھیروں ناگواری تھی۔

جھنجھلاہٹ بھرے انداز میں اپنا بازو اس کے بازو میں پھنسا کے اسے اوپر اٹھایا۔

اور پھر تیز تیز قدم اٹھانا شروع کر دیئے۔علینہ کا دل چاہا اس کے منہ پر تھپڑ مار دے۔خودکشی کی کوشش کو کامیاب بنانے کا اچھا طریقہ تھا۔وہ بے حس بنا اسے باقاعدہ گھسیٹ رہا تھا۔اس سے تو بہتر تھا وہ اس کے سہارے کے بغیر ہی چل لیتی۔

"فرصت سے کسی دن مر جاؤ تم۔"سلگتی آواز میں سانس تلے بڑبڑائی۔اس کے پاؤں میں شدید درد اٹھ رہا تھا۔

"یہ مشغلہ تو تمہارا ہے۔"وائل نے جواباً طنز سے چوٹ کی۔

یکدم آسمان سے پانی کی بوچھار برسنے لگی تو اس کی تیز رفتار میں کمی آگئی۔چہرے پر مزید ناگواری، کوفت، بدمزگی اور جھنجھلاہٹ امڈ آئی۔

"اسی کی کمی تھی۔ابھی شام کو ہی تو بادل چھٹے تھے۔یہ بارش کہاں سے آگئی؟"

وہ قدرے غصے سے بڑبڑایا تھا۔

"بارش کہاں سے آگئی؟"علینہ نے خود کو اس کے الفاظ بغیر آواز کے دہراتے سنا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

قلبلار۔

ماہ رمضان کا انتیسواں دن۔

صبح صادق کی پہلی کرن قلبلار پہ پڑی تو جامنی اندھیرے میں ڈوبا قلبلار جاگ اٹھا۔

حریم اور امیرہ معمول کے مطابق آج بھی قرآن لے کر بیٹھی تھیں۔غزال کی کرسیاں میز خالی تھے۔ایک تو رمضان چل رہا تھا۔دوسرا اتنی صبح سویرے عموماً بھی گاہک کم ہی آیا کرتے تھے۔قلبلار کے لوگ دیر سے جاگنے کے عادی تھے۔

حریم نے پچھلے چھ ماہ میں آٹھ سپارے پڑھ لیے تھے۔شروعات میں خاصی مشکل ہوئی مگر وہ اچھی طالب علم تھی۔تجوید اور مخرج کے اصول جلدی سیکھ گئی تھی۔لیکن آج اس کی بہت ساری غلطیاں ہو رہی تھیں۔

"حریم تمہارا دھیان کہیں اور ہے۔"

اس نے آیت مکمل کر لی تو امیرہ نے اسے ٹوکا۔ بغور دیکھنے پر وہ افسردہ نظر آتی تھی۔

" صحیح کہہ رہی ہو۔ میرا دھیان واقعی کہیں اور ہے۔" اس نے پھیکی سی آواز میں کہتے ہوئے قرآن بند کر کے اس پر غلاف چڑھا دیا۔

"تم اپنے باپ سے دوبارہ ملیں؟" امیرہ کی نظریں مسلسل اس کے چہرہ پر تھیں۔

حریم نے سر اثبات میں ہلایا۔ وہ میز پہ کوئی غیر مرئی نقطے پہ نظریں جمائے ہوئے تھی۔

"ریم تم نے کبھی اپنی ماں کو تلاش کرنے کی کوشش کی؟"

حریم نے نظریں اٹھا کے شکوہ کن نگاہوں سے امیرہ کو دیکھا۔

"میں کیوں انہیں تلاش کروں۔ کھوئی میں تھی تو وہ تلاش کریں نا مجھے۔" کچھ تھا اس کی آواز میں جو سن کر امیرہ کا دل کٹ سا گیا۔ حریم کی کوئی تکلیف اس سے برداشت نہیں ہوتی تھی۔

"شاید وہ تمہیں ڈھونڈ رہی ہوں۔اور ریم اگر ایسا ہے تم انہیں ضرور ملو گی۔"
امیرہ نے اسے ایک امید تھمائی۔
حریم زخمی سا مسکرائی۔
"میں اپنی ماں کو مل جاؤں، یہ "خواہش" ہے۔لیکن میں انہیں نہیں ملوں گی، یہ "حقیقت" ہے۔کیونکہ کھوئے ہوئے بچے واپس نہیں ملتے،امیرہ۔"اس کی آواز ذرا سی نم ہوئی۔آنکھیں بھر آئیں مگر وہ بہت ضبط سے پلک جھپک کر آنسوؤں کو اپنے اندر اتار لے گئی۔
"اگر ایسا ہوتا تو اب تک میں اپنی ماں کو مل جاتی۔ تمہیں تمہاری بہن مل جاتی۔ تم بھی تو قلبلار اپنی بہن کی تلاش میں آئی تھیں نا.... لیکن وہ تمہیں نہیں ملی۔ کیونکہ بچے کھو جائیں تو دوبارہ نہیں ملتے،امیرہ۔یہ وہ تلاش ہے جس کا حاصل تو ہوتا ہے لیکن حصول کبھی حقیقت نہیں بنتا۔ہمیشہ کے لیے امکان بن کے رہ جاتا ہے۔"وہ امیرہ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے رسان سے کہتی چلی جا رہی تھی۔
لیکن امیرہ کی سوچ ایک نقطے پر اٹک گئی تھی۔(تمہیں تمہاری بہن مل جاتی۔)

"تم نے بھی تو ہار مان کر اپنی بہن کو تلاش کرنا چھوڑ دیا نا۔ پھر مجھے کیوں اس جھوٹی آس کے ساتھ باندھ رہی ہو؟" آخر میں وہ قدرے خفگی سے جھجھلائی تھی۔

امیرہ چند لمحے غور سے ناراض دکھتی حریم کو دیکھتی رہی۔ آج اگر اس کی بہن ہوتی تو بالکل حریم جیسی ہوتی۔ اس کے جیسے گھنگریالے بال۔ اس جیسی بھوری آنکھیں۔ اس کے جتنی عمر۔ لیکن وہ نہیں تھی۔

امیرہ کی آنکھوں میں زخمی پن سا اترا۔ اسے یکدم بہت سارا رونا آیا۔ اس نے آنسوؤں کا گولا حلق سے نیچے اتار لیا۔

(دن کی شروعات رو کر نہیں کرنی، امیرہ۔)

"تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے ریم۔ میں نے کوئی ہار نہیں مانی تھی۔ میری بہن مجھے مل گئی تھی۔"

حریم پہلے حیران ہوئی۔ پھر سیدھی ہو کر بیٹھی۔ "کیا واقعی؟"

امیرہ نے سر کو ہلکی سی جنبش دی۔

"کہاں؟"

"چھ گز گہری مٹی تلے سوئی ہوئی۔"

حریم کا صدمے سے منہ کھل گیا۔

"اسے مرے ہوئے سات برس بیت چکے ہیں۔" امیرہ کو اپنی آواز بھیگی ہوئی محسوس ہوئی۔ "میں نے اسے ڈھونڈنا اس لیے چھوڑ دیا کیونکہ وہ اب وجود نہیں رکھتی۔ لیکن تم زندہ ہو ریم۔ اور اگر تمہاری ماں تمہیں ڈھونڈ رہی ہیں تم انہیں مل جاؤ گی۔"

"جس جملے کے شروع میں اگر لگ جائے وہ صرف دل کو بہلانے والا ایک کمزور سا خیال ہوتا ہے۔ مجھے فریب کو امید سمجھ کر ایک لاحاصل تلاش کا تعاقب نہیں کرنا۔"

www.novelsclubb.com

"وائل کہتا ہے یہ زندگی لامحدود امکانات اور منتخب حقیقتوں کے بیچ کا توازن ہے۔" امیرہ نے کبھی سوچا نہیں تھا کہ وہ وائل کے کسی قول کا حوالہ دے گی۔ لیکن شاید یہاں وہ ٹھیک تھا۔ زندگی واقعی امکان اور حقیقت کے درمیان کا توازن تھی۔

"وائل بِن آدم بکواس کرتا ہے۔ بہت مشکلوں سے اپنے دل کے ٹکڑے اکٹھے کر

کے جوڑے ہیں۔ تم سب لوگ مل کر مجھے ایسی امید مت دلاؤ جو ٹوٹے تو ایک بار پھر میرا دل بھی ٹوٹ جائے۔"

امیرہ نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے مگر باہر سے آتے شور نے اسے روک لیا۔

"یہ شور کیسا ہے؟" خود سے بڑبڑاتی وہ اٹھی اور کھڑکی کے آگے سے پردہ ہٹایا۔

عین غزال کے باہر لوگوں کا ہجوم اکٹھا تھا۔ درمیان میں ایک شاہی بگھی کھڑی تھی۔ جس کے گرد مخصوص وردیوں میں ملبوس چند سپاہی گردنیں تانے کھڑے تھے۔

"امیرہ...."

www.novelsclubb.com

اس سے پہلے وہ کچھ سمجھ پاتی عقب سے حرم کی آواز آئی۔

اس نے پلٹ کر دیکھا۔ وہ کافی گھبرایا ہوا لگ رہا تھا۔

"پھول والے کیا ہوا؟" حریم نے بیٹھے بیٹھے غیر دلچسپ انداز میں پوچھا۔

امیرہ کے ابرو بھی استفہام سے اٹھے۔

"باہر سلطان حاکم کے سپاہی آئے ہیں۔ تمہیں گرفتار کرنے۔"

"کیوں؟" حریم اپنا دکھ بھول کر فوراً کرسی سے اٹھی۔ "وہ ایسے ہی کیسے کسی کو بھی گرفتار کر سکتے ہیں؟"

"مجھے نہیں معلوم۔ وہ کوئی جرم بھی تو نہیں بتا رہے۔" حرم نے بے بس سا ہو کر کندھے اچکائے۔

"وائل کہاں ہے؟"

"کچھ خبر نہیں۔"

"وہ جانتے بھی ہیں کہ امیرہ...."

حریم اب اونچی آواز میں ہاتھ ہلا ہلا کے بہس کر رہی تھی۔ لیکن امیرہ کو کچھ بھی سنائی کہاں دے رہا تھا۔

چند ساعتوں بعد اس نے حرم کے پیچھے وردی میں ملبوس ایک سپاہی کو نمودار ہوتے دیکھا۔

پھر امیرہ نے اسے اپنی جانب بڑھتے دیکھا۔ اس نے اپنے ہاتھوں پہ ہتھکڑی لگتے

دیکھا۔

(سلطان حاکم کو اب مجھ سے کیا چاہیے؟) ہتھکڑی میں مقید ہاتھوں کو بغور دیکھتے اس نے بے بسی سے سوچا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

قلبلار۔

کوہستان کے سلطان، حاکم بِن سلیمان کی سابقہ رہائش گاہ کو قلبلار کے لوگ پرانے محل کے نام سے جانتے تھے۔ پہاڑوں کو کاٹ کے درمیان میں بنائے گئے اس عالیشان اور بلند و بالا محل کے گرد رئیس خاندانوں کی مخروطی چھتوں والی رہائش گاہیں تھیں۔

www.novelsclubb.com

انہی میں سے ایک گھر کی بیٹھک گاہ میں آؤتو وائل صوفے پر ٹانگ پہ ٹانگ جمائے پُر سکون انداز میں بیٹھا تھا۔ بازو کلیجی لال رنگ کے صوفے کے ہتھ پہ پھیلا رکھا تھا۔ درمیان میں شیشے کا میز تھا۔ جس کے اس پار موجود صوفے پہ ایک درمیانی عمر کی عورت کسی ملکہ کی شان سے براجمان تھی۔ شاید اس کی عمر زیادہ تھی

لیکن اس نے خوب بناؤ سنگھار کر کے چہرے کی جھریاں چھپا رکھی تھیں۔ جن کے باعث وہ اپنی عمر سے کم دکھتی تھی۔ وہ جوڑے میں مقید سنہری بالوں کی ایک لٹ کو بار بار انگلی پہ لپیٹتی اپنے سامنے ہونے والی کاروائی کا باریکی سے جائزہ لے رہی تھی۔

ان کے سامنے میز پہ امیرہ کی حال ہی میں تیار کی گئی، لافانی قفنوس کی نقلی چھاپ رکھی تھی۔ ایک آدمی اس پہ جھکا اس کا معائنہ کر رہا تھا۔ وہ تصویر کے مختلف حصوں پہ انگلیاں پھیر کے دیکھ رہا تھا۔

لمحے کے لیے وائل اور اس کی نظر ملی۔ آہستگی سے تصویر پہ ادھر اُدھر گھومتی اس کی انگلی میں لرزش پیدا ہوئی۔ آدمی کی بھوری آنکھوں میں نفرت آمیز ناگواری اور جھنجھلاہٹ تھی۔

وائل نے بمشکل استہزائیہ مسکراہٹ ہونٹ تلے دبائی۔ ذہن کے پردے پہ چند روز قبل کا منظر ابھرا۔

("میں عام لوگوں کی طرح نہیں ہوں وائل بِن آدم جو تمہارے بہکاوے میں آ

جاؤں گا۔"

وہ ایک دفتری کمرہ تھا۔وائل ٹانگوں کی قینچی بنا کے،انہیں میز پہ دھرے دونوں ہاتھ پیچھے باندھے کرسی سے ٹیک لگائے آرام دہ سا بیٹھا تھا۔جیسے وہ تھوڑی دیر قبل زبردستی اندر نہ گھسا ہو بلکہ اسے دعوت نامہ دے کے بلایا گیا ہو۔

"تم جو مرضی کر لو،میں جھوٹ نہیں بولوں گا۔"میز کے اس پار کھڑا مرد دونوں ہاتھ کناروں پہ جمائے ایک ایک لفظ چبا چبا کے بول رہا تھا۔"اس عورت نے مجھ پہ اعتبار کر کے...."

"میں نے اپنے تئیں پوری کوشش کی مگر عزت تمہیں راس نہیں آئی،ناصر۔"

اس نے مصنوعی افسوس سے چچ کرتے اس کی بات کاٹی۔

وہ رک کے اسے غصے اور طیش سے دیکھنے لگا۔

وائل نے ٹانگیں میز سے نیچے اتاریں اور دونوں کہنیاں میز پہ ٹکا کے آگے جھکا۔

"آخری مرتبہ اپنی چمیلی سے کب ملے تھے؟"آنکھوں میں بے پناہ معصومیت لیے پوچھا۔

ناصر کے چہرے کی رنگت بھک سے اڑی۔ "کیا بکواس کر رہے ہو؟"

"چمیلی نہیں یاد؟" وہ مزید فکر مند ہوا۔ "اوہو۔ گلاب نامی کوٹھے والی چمیلی؟ وہی چمیلی جس کے پاس تم ہر رات نجانے کس چیز کا درس لینے جاتے ہو؟ ویسے بتانا ذرا کس چیز کا مطالعہ کرتے ہو دونوں؟"

"انتہائی ذلیل شخص ہو تم وائل بِن آدم۔" اس نے تنفر سے جملہ جیسے منہ سے باہر تھوکا۔

"ساتھ خبیث بھی شامل کر لو۔" اطمینان سے پلکیں جھپکیں۔ "سوچو اگر تمہاری بیگم کو تعلیم کے لیے تمہاری اس شدید قسم کی پیاس کا علم ہو جائے تو وہ تمہارے ساتھ کیا کریں گی؟ میرا خیال ہے سیدھا جیل بھجوا دیں گی، نہیں؟" تمسخر اڑاتی سوالیہ نظروں سے ناصر کو دیکھا۔

وہ جواباً غصب بھینچے اسے زندہ زمین میں گاڑ دینے والی نظروں سے دیکھتا رہا۔

"اب قانون دان کی بیٹی سے شادی کی ہے تو بھگتنا تو پڑے گا، نا۔" مصنوعی افسوس سے سر نفی میں جھٹکا۔

"تم میاں بیوی کے درمیان دراڑ ڈالنے والا شیطانی کام کرو گے وائل بِن آدم؟" انداز ملامت کن تھا۔

"تو تمہارا کیا خیال ہے قلبلار کے لوگ مجھے عفریت فرشتوں والے کام کرنے کی وجہ سے کہتے ہیں؟" وہ ہٹ دھرمی سے کہہ رہا تھا۔

"میں بہت محتاط تھا پھر تمہیں کیسے...." وہ بے یقین تھا۔

وہ اٹھ کے اس کے مقابل کھڑا ہوا۔ آنکھیں اس کی آنکھوں پہ گاڑیں جن میں سے استہزاء کے تاثرات اب غائب ہو چکے تھے۔ "مجھے ہر چیز کی خبر ہوتی ہے، ناصر۔ تم جہاں مرضی منہ مارو، مجھے پرواہ نہیں ہے۔ لیکن جو کہا گیا ہے وہ کرو تو تمہارا راز، راز رہے گا۔ ورنہ نتائج کے ذمہ دار تم خود ہو گے۔" سپاٹ اور سرد لہجے میں کہتا وہ دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

پھر جیسے کچھ یاد آیا تو واپس مڑا۔ "ایک اور بات...."

ناصر آنکھوں میں بے پناہ نفرت لیے یک ٹک اسے دیکھ رہا تھا۔

"اپنی خوش فہمی دور کر لو۔ وہ عورت نہ تو خود قابل اعتبار ہے۔ نہ ہی کسی

دوسرے پہ اعتبار کرتی ہے۔")

"یہ نقاشی (تصویر) سو فیصد اصلی ہے۔" ناصر گہری سانس لے کر بولا۔

اپنی لٹ کو انگلی پہ لپیٹتی عورت نے اسے مسکرا کے دیکھا اور پھر ہاتھ سے اشارہ کر کے برخاست کیا۔ وہ لمحوں میں بیٹھک گاہ سے غائب ہو گیا۔

"تمہیں گزشتہ رات رقم وصول ہو گئی تھی؟" انتہائی غیر دلچسپ انداز میں سوال کیا گیا۔ "دیکھو عفریت، میں نے تمہارے بتائے گئے درخت کے پاس اپنے لوگوں کے ہاتھ رقم بھجوادی تھی۔ اب وہ تمہیں ملی، نہیں ملی اس سے مجھے کوئی سروکار نہیں۔" شیریں مسکراہٹ چہرے پہ سجائے اس نے دونوں ہاتھ اٹھا دیئے۔

"مجھے پیسے موصول نہ ہوئے ہوتے تو اس وقت میں یہاں نہ بیٹھا ہوتا۔"

دفعتاً تین ملازم یکے بدیگرے کمرے میں داخل ہوئے۔ ایک کے ہاتھ میں چند اگربتیاں تھیں جنہیں وہ کمرے کے سارے کونوں میں لگانے لگا۔ دوسرے ملازم نے میز سے نقاشی اٹھائی۔ اور تیسرے نے ہاتھ میں پکڑی چائے کی کیتلی اور دیگر لوازمات سے سجی ٹرے میز کے وسط میں رکھ دی۔

وہ تینوں اپنا کام کرنے کے بعد واپس چلے گئے تو عورت نے گفتگو کا سلسلہ واپس جوڑا۔

"امید کرتی ہوں وعدے کے مطابق تم نے میری معلومات خفیہ رکھی ہوں گی۔ آخر ہمارا سودا بھروسے کی بنیاد پہ طے پایا تھا۔" وہ اب نزاکت سے اپنے گلے کے زیور پہ ہاتھ پھیر رہی تھی۔

"ناں خاتون بے نام ناں۔" اس نے انگشت شہادت دائیں بائیں گھمائی۔" ہمارے سودے میں بھروسہ کہیں نہیں تھا۔ ہوتا تو آپ مجھے اپنا نام بتاتیں۔" وہ آگے ہو کے بیٹھی۔

"میں چاہتی تو تمہیں غلط نام بتا کے بھی اپنا کام کروا لیتی۔ لیکن میں نے ایمانداری سے اپنا نام بتانے سے انکار کر دیا۔" جتاتے انداز میں بولتی نفاست سے چائے کیلتی سے پیالی میں انڈیلنے لگی۔

یکدم ایک عجیب سے تناؤ نے اسے آن گھیرا۔ اس کی ساری حسیں بیک وقت جاگی تھیں۔

آب وہوا میں کچھ تھا جو بدل گیا تھا۔وہ محسوس کر سکتا تھا۔مگر کیا....

"اسی لیے کہہ رہا ہوں کہ اس سودے بازی میں بھروسہ کہیں نہیں تھا۔پھر بھی آپ بے فکر رہیں، میں نے آپ کی چھوٹی سی معلومات بھی اپنے ملازمین کو نہیں بتائی۔اس لیے نہیں کہ میں کسی بھروسے کا پاس رکھ رہا تھا۔بلکہ اس لیے کہ میں اپنے گاہکوں کے بارے میں بازیگروں کو کبھی کچھ نہیں بتاتا۔یہ میرے اصولوں کے خلاف ہے۔"پیشہ ورانہ انداز میں بات کرتے اس کی نظریں بظاہر ملکہ کی سی شان رکھنے والی خاتون پہ قائم تھیں مگر دماغ بے حد محتاط انداز میں کمرے میں پیش آنے والی تبدیلی کو تلاش کر رہا تھا۔اس کی چھٹی حس کبھی غلط نہیں ہوتی تھی۔اگر اسے لگ رہا تھا کہیں کچھ گڑبڑ ہے تو پھر گڑبڑ تھی۔مگر کہاں؟

"اسی لیے تو اس کام کے لیے میں نے تمہیں چنا تھا۔"اس نے ستائش سے کہتے پرچ سمیت پیالی وائل کی طرف بڑھائی۔

اس نے ہاتھ اٹھا کے معذرت کر لی۔

"تمہارا روزہ ہے؟"اس کے لبوں پہ طنزیہ سی مسکراہٹ نمایاں ہوئی۔

"میں چائے نہیں پیتا۔"

عورت نے برا مانے بغیر پرچ واپس کر لی۔اور بغور اس کا چہرہ دیکھتے چائے کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ بھرنے لگی۔

اگر بتیوں کی مہک کمرے کا فاصلہ عبور کرتی وائل کی نتھنوں سے ٹکرائی تو اس کا ذہن بوجھل سا ہوا۔اس نے ایسی مہک آج سے پہلے کبھی نہیں سونگھی تھی۔پچھلی مرتبہ جب وہ اس عورت سے ملا تھا تو بیٹھک گاہ کی دیواروں پہ ارک گلاب کی اگر بتیاں چسپاں تھیں۔مگر یہ خوشبو الگ تھی۔

اس نے لمحے کے لیے آنکھیں بند کیں۔اور جب کھولیں تو وہ بری طرح سے چونکا۔

www.novelsclubb.com

وہ سامنے بیٹھی مسکراتی عورت کو نہیں پہچانتا تھا۔

اس نے ہڑبڑاہٹ کے عالم میں گردن ادھر اُدھر پھیری۔وہ اس گھر کو بھی نہیں پہچانتا تھا۔

وہ یہاں کیوں تھا؟اور کیسے آیا تھا؟اس کا ذہن خالی تھا۔

وہ تو قبرستان میں تھا نا.... پھر یہاں کیسے آیا؟

غیر شناسا چہرے والی عورت اطمینان سے اسے مسکرا کے دیکھ رہی تھی۔

وائل نے گھبرا کے آنکھیں بند کیں اور یاد کرنے کی کوشش کی۔ جو آخری چیز اسے یاد تھی وہ قبرستان کا منظر تھا۔

(امیرہ ایک قبر کے کنارے بیٹھی دیوانہ وار روئے جا رہی تھی۔ وہ اس کے عین سامنے، قبر کی دوسری طرف، پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑا تھا۔ روتی ہوئی امیرہ اسے اچھی نہیں لگ رہی تھی۔

"بس کر دو امیرہ۔ تمہارے رونے سے وہ زندہ نہیں ہو جائے گی۔"

لیکن وہ اسے سن ہی کہاں رہی تھی۔ اس کے لیے تو شاید وہ وہاں موجود بھی نہیں تھا۔

وہ اب قبر کے کتبے پہ نرمی سے ہاتھ پھیر رہی تھی۔ آنسوؤں کا ایک دریا تھا جو اس کی آنکھوں سے بہہ رہا تھا۔ اس دریا کی ایک ایک بوند وائل کو اپنے دل پہ تیزاب کی طرح محسوس ہو رہی تھی۔)

اس نے ایک جھٹکے سے آنکھیں کھولیں۔

یادداشت واپس آچکی تھی۔

سامنے بیٹھی عورت اس کی گاہک تھی۔اور وہ یہاں لافانی فقنوس اس کے حوالے کرنے آیا تھا۔ لیکن کچھ غلط تھا۔ کہیں کچھ بہت غلط تھا۔

"میں نے آپ کا کام کر دیا،اب مجھے چلنا چاہیے۔" وہ بظاہر خود کو پُر سکون رکھے اپنی نشست سے اٹھا۔

عورت کے چہرے پہ حیرانگی عیاں ہوئی۔ جیسے وہ کسی اور چیز کی منتظر تھی۔

"تمہاری یاد...." بولتے بولتے وہ خاموش ہو گئی۔ پھر جیسے الفاظ تولے اور قدرے ہچکچاہٹ سے سوال پوچھا۔"تمہیں یقین ہے تم.... مشرقی دنیا کے ہو؟"

وائل نے نا سمجھی سے اسے دیکھا۔ وہ جواباً اسے حیران زدہ اور پُر سوچ نظروں سے باقاعدہ گھور رہی تھی۔

کافی دیر لگی تھی وائل کو اس کا سوال سمجھنے میں۔

"میری رگوں میں خون کے علاوہ صرف شیطان دوڑتا ہے، خاتون۔ جادو

نہیں۔" وہ بولا تو لہجہ سپاٹ اور بااعتماد تھا۔ لیکن سامنے بیٹھی عورت کے تاثرات بتاتے تھے کہ وہ اس جواب سے آمادہ نہیں ہوئی تھی۔

وہ باہر جانے والی راہداری کی طرف بڑھنے لگا تو عورت نے پکارا۔

"کیا ہم پہلے مل چکے ہیں؟" نجانے کیوں لیکن اس کی آواز سے امید رہ رہ کے چھلک رہی تھی۔

"میرا نہیں خیال ہمارے راستے اس سے پہلے ٹکرائے ہیں۔ اور میرا نہیں خیال ہمارے راستے آج کے بعد بھی کبھی ٹکرائیں گے۔"

"تمہاری آنکھیں اور بال ہو بہو میرے فرزند جیسی ہیں۔" وہ اسے نظر بھر کے دیکھتے ہوئے، رنج بھری آواز میں بولی تو آنکھیں بھی رنجیدہ نظر آئیں۔

"اور کہاں ہے آپ کا یہ فرزند؟"

وائل نے دیکھا اس کی آنکھوں میں نمی ابھری تھی۔ پھر اس نے سر صوفے کی پشت سے ٹکا کے تکلیف سے آنکھیں موندیں۔

"وہ مجھ سے کھو گیا ہے۔" ایک آنسو اس کی آنکھ کے کنارے سے بہہ کے گال

پہ جذب ہوا۔

"قلبلار کی گلیوں میں آپ کو سرمئی آنکھوں اور سیاہ بالوں والے سیکڑوں چہرے مل جائیں گے۔انہی میں سے ہو گا کوئی....آپ کا بیٹا۔"اس نے بے نیازی سے کندھے اچکائے اور راہداری کی طرف مڑ گیا۔اسے اس عورت کی دکھی داستان سننے میں کوئی دلچسپی نہ تھی۔

وہ راہداری کی دہلیز پہ تھا جب وہ پیچھے سے بے قرار آواز میں بولی تھی۔

"تم بھی تو ہو سکتے ہو؟"

وائل کے قدم زنجیر ہوئے۔

اس نے گردن ترچھی کر کے کنکھیوں سے اس ماں کو دیکھا جو نجانے کتنے برسوں سے اپنے لاپتہ بیٹے کی منتظر تھی۔

وہ آنکھوں میں حزن کا دھواں لیے یک ٹک اسے دیکھ رہی تھی۔

وائل کے ہونٹوں پہ زخمی مسکراہٹ بکھری۔آنکھوں میں کانٹے چبھے۔یا شاید وہ دل میں چبھ رہے تھے۔پھر جب وہ بولا تو آواز بھی کرب سے چور تھی۔"میں

وائل ہوں،اور میں کسی کا بیٹا نہیں ہوں۔"

وہ گھر سے باہر نکلا تو سب سے پہلے آنکھوں کے کنارے صاف کیے۔اس کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں۔کیا وہ تکلیف دہ آنسوں تھے؟ یا صرف گرم پانی تھا جو آنکھوں سے لگاتار بہتا چلا جا رہا تھا۔لیکن صرف پانی تھا تو دل میں اتنی چبھن کیوں ہو رہی تھی؟

ان اگربتیوں میں کچھ تھا۔کچھ زہریلا۔

اس کی آنکھیں جل رہی تھیں۔ہر بڑھتے لمحے اسے شدید چبھن محسوس ہو رہی تھی۔وہ آنکھیں مسلتا آگے بڑھ رہا تھا جب اس کے قدم خود بخود تھم گئے۔

اس کا ذہن ایک مرتبہ پھر حالیہ یادوں سے خالی تھا۔اس نے بے چینی سے سر اٹھا کے اطراف میں دیکھا۔

وہ سلطان حاکم کے محل کے مضافات میں موجود تھا....

لیکن وہ یہاں کیوں آیا تھا؟

جو آخری چیز اسے یاد تھی وہ برگد کے پیڑ کے پاس کسی فیض بِن غفار کے ساتھ

ہونے والی ہنگامی ملاقات تھی۔

اس کے بعد کی یادیں.... نہیں تھیں۔آخر اس کے ساتھ یہ ہو کیا رہا تھا؟

دور سے باز یگر اڑتا ہوا آیا تو اس نے بازو پھیلایا۔اس کا پالتو پرندہ آرام سے اس کی پھیلی ہوئی کلائی پہ بیٹھ گیا۔

اس کے گلے میں ایک ڈور تھی جس کے ساتھ ایک چھوٹی سی پوٹلی بندھی تھی۔

وائل نے پوٹلی کھولی تو بیچ میں سے ایک تہہ شدہ کاغذ نکلا۔اس نے کاغذ کی تہیں کھول کے اسے پڑھا۔

"سیٹھ تم کہاں ہو؟سلطان حاکم کے سپاہی امیرہ کو گرفتار کر کے لے گئے ہیں۔ جلدی واپس آؤ!"

www.novelsclubb.com

"امیرہ؟"لکھائی حرم کی تھی مگر وہ امیرہ نام کی کسی لڑکی کو نہیں جانتا تھا۔

اس نے پیغام دوبارہ پڑھا۔

"سیٹھ تم کہاں ہو؟سلطان حاکم کے سپاہی امیرہ کو گرفتار کر کے لے گئے ہیں۔ جلدی واپس آؤ!"

اس نے دماغ پہ زور دیا کہ کچھ یاد آجائے۔ لیکن دل کے معاملوں میں دماغ کے پاس کوئی اختیار کہاں ہوتا ہے!

"امیرہ۔" ایک اتھلی سانس اس کے لبوں سے جدا ہوئی تھی۔ یہ نام جیسے زبان سے نہیں سیدھا دل سے نکلا تھا۔

یادیں کسی سیلاب کی طرح واپس آئی تھیں۔ اور پھر وہ بے اختیار بھاگا تھا۔

وہ منٹوں کی مہلت میں رئیسوں کے اعلیٰ علاقے سے نکل کے جھیل کے اوپر بنے لکڑی کے پل تک پہنچ آیا تھا۔

ایک لمحہ سانس لینے کے لیے رکا اور پھر واپس بھاگنا شروع کر دیا۔ پل کے تختے اس کے تیز قدموں تلے لرز رہے تھے۔ ذہن میں رہ رہ کے صرف امیرہ کا خیال آ رہا تھا۔ اگر اس پہ معمولی سی خراش بھی آئی تو وہ سلطان حاکم کے محل کو جلا کر راکھ کر دے گا....

اگلے لمحے ایک تیز دھاتی شے داہنی طرف سے اس کے وجود سے ٹکرائی تھی۔ قدم بے اختیار لڑکھڑائے تھے۔ اس نے کھڑا رہنے کی کوشش کی مگر بے جان

قدموں نے ساتھ نہ دیا۔وہ گھٹنوں کے بل زمین پہ جا گرا۔

ہاتھ داہنی پسلی تک گیا تو تازہ نمی ہاتھ پہ منتقل ہوئی۔اس نے ہاتھ سامنے کر کے دیکھا تو وہ خون سے لت پت تھا۔

وہ تیر تھا جو جلد کو چیر کے اب اس کے جسم کے اندر پیوست ہو چکا تھا۔وائل نے اذیت بھرے چند گہرے سانس لیے۔اور پھر کپکپاتے ہاتھوں بے حد احتیاط سے اسے باہر نکالا۔جسم کے اس حصے میں تکلیف دہ ٹیسیں اٹھی تھیں۔

"کوئی آخری خواہش؟" دو سیاہ بوٹوں والے پاؤں عین اس کے سامنے آ کھڑے ہوئے۔

اس نے بہت ہمت کر کے گردن اوپر اٹھائی اور اگلے لمحے بری طرح چونکا۔

نووارد سر سے لے کے پاؤں تک سیاہ لباس میں ملبوس تھا۔کندھوں پہ چغے کا اضافی کپڑا گر رہا تھا۔اس کا چہرہ نقاب کے پیچھے پوشیدہ تھا اور سر پہ کس کے سیاہ کپڑا بندھا تھا۔البتہ آنکھیں واضح تھیں۔ایک لمحے کے لیے وائل کو لگا وہ کسی آئینے میں اپنی ہی آنکھوں کا عکس دیکھ رہا ہے۔

"تم....الادین...." بدقت یہ الفاظ اس کے منہ سے نکل سکے۔اور اس کے بعد وائل بِن آدم کا ذہن پھر سے بوجھل ہو گیا۔کچھ بھی سمجھنے پرکھنے کی صلاحیت سے قاصر۔

یادیں پھر سے جیسے گہرے اندھیرے میں گڈمڈ ہو گئیں۔بلکہ اس کا دماغ گہرے اندھیروں میں ڈوب گیا۔

وہ کہاں تھا،اسے کچھ خبر نہ تھی۔اس کے سامنے کون کھڑا تھا،وہ اس بات سے بھی ناواقف تھا۔اس کی گردن شکست خوارگی کے عالم میں خود بخود نیچے جھک گئی۔

"عموماً لوگ ایسے موقع پہ گڑگڑا کے زندگی کی بھیک مانگتے ہیں،وائل بِن آدم۔ تمہیں دیکھ کے لگ رہا ہے تمہارے اندر جینے کی خواہش ختم ہو چکی ہے۔" سامنے کھڑا شخص اپنے ہاتھ میں پکڑی چمک دار،تیز دھاری تلوار کو غور سے دیکھتے ہوئے گھنیری آواز میں بولا تھا۔

"سبحانی تم کہاں ہو؟" اس کے لب بے آواز ہلے تھے۔

"میں یہیں ہوں۔تمہارے ساتھ۔" کسی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

وائل نے گردن ہلکی سی اس طرف پھیری۔زمین پہ بیٹھی گھنگریالے بالوں والی سجانی مسکرائی۔

وہ اپنی بیساکھیاں کہاں پھینک آئی تھی؟سب سے پہلا خیال اسے یہی آیا تھا۔

"بھول گئے میں ہمیشہ تمہارے ساتھ ہوں؟"اس نے اپنا بازو اس کے بازو کے گرد حائل کیا۔

"تمہاری بیساکھیاں...."وہ بس اتنا ہی کہہ سکا۔

اسے سانس لینے میں شدید دقت کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔اس کی آنکھیں ہر گزرتے لمحے بند ہو رہی تھیں۔وہ مزاحمت کیا کرتا جب اسے کسی چیز کی کچھ خبر ہی نہ تھی۔وہ کہاں تھا....کس جگہ تھا....کس دور میں تھا....اسے کچھ بھی یاد نہیں تھا۔کچھ یاد تھا تو اپنی سجانی کے تکلیف دہ آنسوں۔خود کے سینے میں اٹھتا دل چیر درد۔

کسی ساتھی کی دغا....

آگ کی بھٹی....

ٹوٹی ہوئی ٹانگ....

لکڑی کی بیساکھیاں....

"امید کرتا ہوں جہنم میں فرشتے تمہاری اچھی سیوا کریں گے۔"اس نے سنجیدہ انداز سے کہتے ہوئے تلوار اٹھا کے پوری قوت سے وائل کی گردن پہ دے ماری۔

لیکن وہ اسے لگنے کی بجائے زمین پہ گر گئی۔

سامنے کھڑا شخص اپنے کلائی تھامے درد سے چیخا تھا۔وائل نے بمشکل آنکھیں کھول کے بغور اس کی کلائی کو دیکھا تو اسے اندازہ ہوا،اسے تیر لگا تھا۔

"دور ہٹو۔" بائیں طرف سے ایک غیر شناسا لڑکی نمودار ہوئی تھی۔اس نے تیر کمان حملہ آور پہ تانا ہوا تھا۔"اگر اپنی سلامتی چاہتے ہو تو الٹے قدموں پیچھے مڑو اور یہاں سے غائب ہو جاؤ۔" وہ اب وائل کے آگے ڈھال بنے کھڑی تھی۔یہ دوسری بار تھا جب کوئی اس کی ڈھال بنا تھا۔ورنہ زندگی میں کبھی کوئی وائل بِن آدم کی ڈھال نہیں بنا تھا۔

سیاہ لباس والا شخص دونوں ہاتھ اٹھائے پیچھے ہوتا گیا۔اس کی کلائی سے مسلسل

خون رس رہا تھا۔ تیر ابھی تک اس کے بازو میں پھنسا تھا۔ مگر اس کے قدم پیچھے ہوتے گئے۔ یہاں تک کہ وہ شام کی مدھم روشنی میں آبادی کی طرف غائب ہو گیا۔

"تم ٹھیک ہو؟" اس کی مددگار گھٹنوں کے بل پاس آ کے بیٹھی تھی۔

مگر وہ اسے نہیں دیکھ رہا تھا۔ اس کے پیچھے نیلگوں آسمان پہ لٹکتے ہلال کو دیکھ رہا تھا۔ وہ اتنا باریک تھا کہ پہلے دن کا چاند لگتا تھا۔ کیا یہ نئے مہینے کی ابتدا تھی؟

"میں تم سے پوچھ رہی ہوں، تم ٹھیک ہو؟"

وائل نے نظریں اس لڑکی سے ملائیں۔ اس کی آنکھوں میں فکر مندی جھلک رہی تھی۔

www.novelsclubb.com

وہ اسے جانتا تھا؟

اس نے ذہن پہ زور دے کر یاد کرنے کی کوشش کی۔

وہ کون تھی؟ کوئی ہمنوا؟ کوئی دوست؟ یا پھر کچھ اور؟

اس نے ذہن پہ بہت دباؤ ڈالا۔ مگر وہ اس سے ناآشنا تھا۔ وہ لڑکی اس کے لیے

اجنبی تھی۔بیگانی۔

"تم...."اس کی بے تاب آواز ٹوٹی۔"تم....مجھے نہیں پہچانتے؟"

اور وائل بِن آدم اسے واقعی نہیں پہچانتا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

باقی آئندہ،انشااللہ!

www.novelsclubb.com